آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں

از

حمیرہ احمد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں

وہ آہستہ سے دروازہ بجا کر اس کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ وہ بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ پیپرز دیکھ رہا تھا۔ وہ انھیں اس وقت اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اپنی نانی کے کمرے میں امی کو سلام کر کے آیا تھا۔

''کیا بات ہے امی! آپ سوئی نہیں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

امی کوئی جواب دیے بغیر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے امی؟'' اس نے پہلی بار ماں کا چہرہ غور سے دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ شاید وہ روئی بھی تھیں۔ یہ چیز اس نے نانی کے کمرے میں نوٹ نہیں کی تھی اور یہ نوٹ کرتے ہی اس کی بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''امی! کیا ممانی سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' اس نے ماں کی خاموشی پر ایک اور سوال کیا تھا۔

''نہیں۔ کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ تم اس دن بات کر رہے تھے کہ کوئی گھر لے سکتے ہو۔ الگ رہنے کے لیے؟''

''ہاں تو؟'' معیز نے کھوجتی ہوئی نظروں سے ماں کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تو پھر لے لو، میرا خیال ہے۔ اب ہمیں الگ ہی رہنا چاہیے اور پھر اس طرح تمھیں بھی سہولت ہو جائے گی۔'' ان کے لہجے میں عجیب سی شکست خوردگی تھی۔

''یہ اچانک آپ جانے پر راضی کیسے ہو گئی ہیں، پہلے تو آپ مان نہیں رہی تھیں۔''

وہ کچھ حیران ہوا تھا لیکن وہ جواب میں چپ سادھ کر رہ گئی تھیں۔ کیسے بتا دیتیں کہ آج بھائی کی باتوں نے کس طرح ان کا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔

معیز دس سال کا تھا جب وہ بیوہ ہو کر بھائی کے در پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے تین بھائی تھے جو پہلے اکٹھے رہتے تھے اور بعد میں انھوں نے اپنے پورشن الگ کر لیے تھے۔ عدت کے پورا ہوتے ہی بھائی انھیں لینے آ پہنچے تھے۔ لیکن وہ معیز کو ساتھ نہیں لانا چاہتے تھے اور رابعہ معیز کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں اور ان کی یہ ضد ہی معیز کو ننھیال لانے کا سبب بنی تھی۔ وہ شادی کے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا اور ان کا اکلوتا بیٹا تھا ان کے شوہر ناصر مسقط میں کسی فرم میں انجینئر تھے اور وہ بھی اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ شادی کے پندرہ سال انھوں نے جیسے ایک مستقل بہار میں گزارے تھے۔ روپے پیسے کی ریل پیل تھی اور ساس سسر چاہنے والے تھے۔

معیز شادی کے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا اور جیسے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔ کون سا ناز نخرہ تھا جو اس کا نہیں اٹھایا گیا تھا۔ وہ صرف ماں باپ کا ہی نہیں بلکہ خالاؤں اور ماموؤں کا بھی چہیتا تھا اور ہوتا کیوں نہ اس وقت رابعہ کے پاس بے تحاشا روپیہ تھا جو وہ کھلے دل سے اپنے

بھانجے بھانجیوں پر لٹاتی تھیں۔ لاڈ پیار نے معیز کو اسی طرح بگاڑا تھا جس طرح اکلوتے بچے اکثر بگڑتے ہیں۔ وہ تعلیم میں اچھا تھا لیکن آؤٹ اسٹینڈنگ نہیں تھا اور ضد میں تو کوئی اس کا ثانی نہیں تھا جو بات ایک بار اس کے منہ سے نکل جاتی وہ جیسے پتھر پر لکیر ہو جاتی۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو سکتی تھی مگر وہ نہیں لیکن اس وقت کسی کو اس کے غصے اور ضد پر پریشانی ہوتی تھی۔ وہ لاکھوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا پھر کون تھا جو اس میں نقص نکالنے کی حماقت کرتا۔ ان ہی دنوں رابعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کی بیٹی سعدیہ سے معیز کی نسبت طے کر دی تھی۔ دونوں خاندان اس رشتہ پر بہت خوش تھے۔

معیز اس وقت آٹھ سال کا تھا جب یہ ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ ناصر کو پھیپھڑوں کا کینسر ہے۔ یہ تشخیص ہو جانے کے بعد انھیں ملازمت سے ریٹائر کر دیا گیا۔ رابعہ پر جیسے ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ انھیں ملازمت ختم ہونے کا افسوس نہیں تھا۔ انھیں تو صرف ناصر کی صحت یابی کی فکر تھی۔ ناصر کو ساتھ لیے وہ باہر کے ممالک میں علاج کے لیے پھرتی رہیں لیکن مختلف آپریشنز کے بعد بھی کینسر ختم نہیں ہوا بلکہ پھیلتا ہی چلا گیا۔ پھر ان ہی دنوں ایک ٹریفک حادثے میں ان کے سسر کا انتقال ہو گیا۔ رابعہ جیسے پھر دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی ساس کے ساتھ مسقط سے پاکستان شفٹ ہو گئیں پھر معیز کو اپنی ساس کے پاس چھوڑ کر وہ ایک بار پھر ناصر کو علاج کی خاطر انگلینڈ لے گئی تھیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسقط کی طرح پاکستان میں موجود ان کی جائیداد بھی بک گئی۔ جو روپیہ اکٹھا کرنے میں ناصر اور ان کے باپ کو چالیس سال لگے تھے وہ صرف دو سال میں ختم ہو گئے تھے اور جب وہ دو سال ختم ہوئے تو ناصر بھی ختم ہو گئے تھے۔ رابعہ کے لیے مصیبتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کی ساس کو بھی اپنے بھائیوں کے پاس جانا پڑا اور ان کے بھائی معیز اور رابعہ کی ذمہ داری اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔ رابعہ کی ساس بلکتے ہوئے انھیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

سب کچھ بدل گیا ہے، کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔ بھائیوں کے پاس آ کر رابعہ کو پہلا احساس یہی ہوا تھا۔ وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ہی لوگ بھی بدل گئے تھے۔ وہی بھائی، بھابھیاں جو انھیں بلانے کے لیے بار بار مسقط فون کیا کرتے تھے۔ اب انھیں گھر لانے کے بعد یہ طے کرنے میں مصروف تھے کہ وہ کس کے پاس رہیں گی اور انھیں خرچ کون دیا کرے گا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد انھوں نے رابعہ پر دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ لیکن صرف یہ ایک ایسی چیز تھی جس پر رابعہ کوئی دباؤ برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوئی تھیں۔ ناصر ان کے لیے کیا تھے اور ان کے ساتھ گزارے ہوئے سترہ سال وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کے بھائی یہ سمجھنے سے قاصر تھے رابعہ کی ضد کے سامنے وہ جھک تو گئے تھے مگر ان کے رویے روز بروز بد سے بدتر ہوتے گئے تھے۔ وہ کئی کئی دن انھیں مخاطب نہ کرتے۔

بھابھیاں جو بات بلاواسطہ نہیں کہتی تھیں، وہ بالواسطہ طور پر کہہ دیتی تھیں۔ ان کی ماں خود بھی بیٹوں اور بہوؤں کے رحم و کرم پر تھیں۔ وہ ہمیشہ انھیں صرف صبر کی تلقین کرتی تھیں۔

بہنیں وہ تھیں جو بھائیوں کے گھر آتیں تو کوشش کرتیں کہ رابعہ سے ملے بغیر ہی چلی جائیں کیونکہ رابعہ کے ساتھ زیادہ گرم جوشی برتنے کا مطلب یہ ہوتا کہ انھیں پہلے بھابھیوں اور پھر بھائیوں کی بے رخی کا سامنا کرنا پڑتا، ویسے بھی وہ جس سوشل اسٹیٹس کی حامل تھیں، وہ متقاضی تھا کہ وہ صرف بھائیوں سے ہی میل جول رکھیں۔ رابعہ تو اب وہ اسٹیٹس کھو چکی تھیں اور دوبارہ اسے حاصل کرنے کا دور دور تک امکان نہیں تھا۔ لیکن جو بھی تھا۔

رابعہ کا حوصلہ اور صبر کمال کا تھا۔ انھوں نے کبھی کسی سے شکوہ نہیں کیا۔ ایک چپ کی مہر تھی جو انھوں نے اپنے ہونٹوں پر لگا لی تھی۔ انھوں نے گھر کی پوری ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا لی تھی۔ ان کے بڑے بھائی کے گھر دو تین ملازم تھے اور وہی سارا کام لیا کرتی تھیں جیسے وہ اپنے بھائی کی ہاؤس کیپر ہوں۔ ان کی خدمت کے عوض انھیں رہائش اور تین وقت کا کھانا میسر تھا۔ ہر ماہ ان کو ایک بھائی ہزار روپے دے جاتا اور وہ انھیں ہزار روپوں میں اپنے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرتیں ان کے ذاتی اخراجات کچھ نہیں تھے۔ ہاں معیز کا خیال انھیں رکھنا پڑتا تھا۔ وہ اسی اسکول میں داخل تھا۔ جہاں ان کے بھائیوں کے بچے داخل تھے۔ اس میں ان کے بھائیوں کا کوئی کمال نہیں تھا۔ اپنی ساس کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونے کے بعد انھوں نے خود ہی اسے اس اسکول میں داخل کروایا تھا کیونکہ تب ان کے پاس روپے کی کمی نہیں تھی۔ لیکن اب انھیں اس کی فیس اور دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لیے جو جتن کرنے پڑتے تھے وہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ اتنی تعلیم یافتہ تو وہ تھیں نہیں کہ کوئی اچھی جاب کر سکتیں اور اگر تعلیم یافتہ ہوتیں بھی تب بھی ان کے بھائیوں کی غیرت کو یہ کہاں گوارا ہوتا کہ وہ کوئی جاب کریں۔ ایک سے بڑھ کر ایک امتحان انھیں درپیش تھا۔

اور ان ہی امتحانوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے پتا نہیں کب ان کی توجہ معیز سے ہٹ گئی تھی۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی بھابھی کا کوئی نہ کوئی کام کر رہی ہوتیں اور اس ساری جدوجہد کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی ان کے اخراجات پورے کر ہی دیتا تھا۔ اسی بھاگ دوڑ میں انھیں پتا نہیں چلا کب معیز ذہنی طور پر بالغ ہو گیا۔ اس نے بلاشبہ باپ کی بیماری اور موت کو بے حد محسوس کیا تھا اور وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا۔ شروع میں اسے ماموؤں کے گھر آ کر رہنا بہت اچھا لگا تھا کیونکہ اسے ہمیشہ سے یہاں آنا پسند تھا۔ کیونکہ یہاں اس کے ساتھ کھیلنے کے لیے بہت بچے ہوتے تھے اور پھر اس کے بہت ناز نخرے بھی اٹھائے جاتے تھے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے پتا چل گیا تھا کہ پہلے اور اب کے رہنے میں بہت فرق تھا، اب اسے ڈانٹا جاتا تھا۔ اس کے کاموں میں روک ٹوک ہوتی تھی۔ شروع میں اس کے کزنز اس کے ساتھ بہت فرینک تھے لیکن اپنے ماں باپ کے بدلتے ہوئے رویوں کا اثر ان پر بھی ہوا تھا اور انھوں نے اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ پہلے پہل اسے یہ سب کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر پھر جب اس نے اس سب پر سوچنا شروع کیا تو آگہی کے نئے نئے در اس پر کھلتے چلے گئے۔ سارے فرق اس کی سمجھ میں آنے لگے تھے اور وہ جیسے شاک میں آتا چلا گیا تھا۔ بہت نامحسوس طور پر اس میں تبدیلی آنے لگی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے کزنز کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دیا کیونکہ اب وہ خود کو ان کے برابر کا نہیں سمجھتا تھا۔ وہ پہلے والی ضد یکسر ختم ہو گئی تھی۔ اسے ماں کی بے توجہی کی شکایت بھی نہیں رہی تھی۔

وہ اسکول سے آ کر کسی کونے میں اپنا بیگ لے کر بیٹھ جاتا اور ہوم ورک کرتا رہتا، جب ہوم ورک ختم ہو جاتا تو پھر ڈرائنگ کرنے لگتا اور جب اس میں دلچسپی ختم ہو جاتی تو کوئی کتاب نکال کر پڑھنے لگتا، اسٹڈیز میں اب اس کے گریڈز بہت اچھے آنے لگے تھے۔ ہر بار اس کا رزلٹ کارڈ دیکھ کر رابعہ کا سیروں خون بڑھ جاتا۔ انھیں لگتا تھا کہ اس کو ڈاکٹر بنانے کا ان کا خواب پورا ہونے والا ہے۔

معیز کے مزاج میں ہونے والی تبدیلیوں کا احساس انھیں پہلی مرتبہ تب ہوا تھا۔ جب وہ ایک صبح اسے اتفاقاً ہی گاڑی تک چھوڑنے چلی گئی تھیں۔ وہ انھیں خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ان کے بھائی کے بچے ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ بلا مقصد ہی کھڑی رہیں۔ پھر کچھ دیر بعد ان کے بھتیجے اور بھتیجیاں آ گئی تھیں۔

''تم آگے ہو کر بیٹھو، کھڑکی کے پاس میں بیٹھوں گی۔ میں تمھیں روز کہتا ہوں پھر تم پر اثر کیوں نہیں ہوتا۔''

ان کے سب سے چھوٹے بھتیجے نے آتے ہی بڑی بدتمیزی سے دروازہ کھول کر معیز کو جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔ رابعہ ڈر گئی تھیں کہ معیز ابھی لڑنا شروع کر دے گا اور اسی خدشے کے پیش نظر وہ گاڑی کے پاس آ گئی تھیں مگر معیز بے حد خاموشی سے آگے سرک گیا تھا۔ ان کے سارے بھتیجے اور بھتیجیاں گاڑی میں سوار ہو گئی تھیں اور وہ ان کے درمیان سکڑا ہوا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

گاڑی چل پڑی تھی اور رابعہ کے گال آنسوؤں سے بھیگنے لگے تھے۔ انھیں یاد تھا وہ ہمیشہ کھڑکی کے پاس ہی بیٹھتا تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اسے وہاں سے ہٹا دیتا اور اب معیز کی اطاعت گزاری نے انھیں خوش کرنے کے بجائے ان کا دل چھید دیا تھا۔ جب ناصر زندہ تھے تو بعض دفعہ وہ معیز کی ضد اور غصے سے تنگ آ کر ہر ایک سے پوچھتی رہتیں کہ وہ اسے کیسے ٹھیک کریں اور اب جب ان کی مشکل حل ہو گئی تھی تو وہ رو رہی تھیں۔ اسی دن اسکول سے واپس آنے کے بعد وہ بہانے بہانے سے معیز کو پیار کرتی رہیں۔

معیز واقعی بدل گیا تھا۔ اس بات کا یقین انھیں تب ہوا تھا جب چند روز بعد ایک روز صبح اسکول جاتے ہوئے انھوں نے اسے پاکٹ منی دینے کی کوشش کی۔

''نہیں امی! اب میرا روپے خرچ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔''

بڑی سنجیدگی سے اس نے ماں کا ہاتھ پیچھے کر دیا تھا۔ اس کے الفاظ پر جیسے رابعہ کا سانس ہی رک گیا تھا۔

''کیوں بیٹا؟''

''بس ویسے ہی ٹک شاپ آتے جاتے بہت وقت لگ جاتا ہے پھر وہاں پر رش بھی بہت ہوتا ہے ساری بریک تو انتظار میں ہی گزر جاتی ہے پھر پاکٹ منی کا کیا فائدہ۔''

وہ اپنا اسکول بیگ بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رابعہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں، وہ روپے خرچ کرنے کا کتنا شوقین تھا وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ وہ جب سے اس اسکول میں آیا تھا تب سے روز پانچ دس روپے لے کر جاتا رہا تھا تب کبھی اس نے کینٹین کے دور ہونے کا رونا نہیں رویا تھا پھر اب کیا بات ہو گئی تھی۔ رابعہ کو اپنی بے چارگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

آٹھویں کلاس تک آتے آتے وہ بالکل ہی بدل چکا تھا۔ اس میں پہلے والی کوئی بات نہیں رہی تھی۔ اس کا غصہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ماموؤں کی ڈانٹ ڈپٹ کو وہ بڑی خاموشی سے سنتا تھا۔ اس نے کبھی ممانیوں کی کسی بات کا برا مانا نہ ہی کبھی وضاحتیں پیش کرنے کی کوشش کی۔

اس کے چہرے کے نقوش بہت عام سے تھے اور رنگت بھی سانولی تھی۔ اوپر سے وہ تھا بھی دبلا پتلا اور کسی نہ کسی بات پر وہ اپنے کزنز کے

مذاق کا نشانہ بنتا ہی رہتا تھا مگر اس نے کبھی پلٹ کر کسی کو جواب نہیں دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے سب کی باتیں برداشت کر لیتا تھا۔ ماموں کے گھر کی دوسری منزل پر موجود اسٹور کو اس نے اپنے کمرے کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور سارا دن اپنے کمرے میں ہی گھسا رہتا۔ پھر اچانک اس نے زیادہ وقت گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا۔

ماں کے استفسار پر اس نے کہہ دیا کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ پڑھتا رہتا ہے۔ پھر گھر سے باہر رہنا جیسے اس کا معمول ہی بن گیا تھا۔ رابعہ کو ہمیشہ اس کی بات پر یقین آ جاتا کہ وہ دوست کے ساتھ پڑھتا ہے۔ کیونکہ گھر آنے کے بعد بھی وہ زیادہ وقت کتابیں لے کر ہی بیٹھا رہتا تھا۔ پھر جب وہ میٹرک میں آیا تو اس کے باہر رہنے کے اوقات بھی بڑھ گئے۔ لیکن رابعہ پھر بھی مطمئن تھیں۔ پتا نہیں انھیں کبھی یہ کیوں نہیں لگا کہ وہ کہیں کوئی غلط کام نہ کر رہا ہو، گھر پر وہ جب بھی ہوتا کسی نہ کسی کو کوئی نہ کوئی کام یاد آتا رہتا اور وہ بار بار اندر باہر کے چکر لگاتا رہتا۔ اب رابعہ کی بھی یہی خواہش ہوتی تھی کہ وہ باہر ہی رہے۔ کم از کم باہر وہ اطمینان سے پڑھتا تو ہوگا۔

❁

میٹرک کے امتحانات میں وہ شاندار نمبروں سے کامیاب ہوا تھا اسکول میں پہلی پانچ پوزیشنز لینے والوں میں سے ایک وہ بھی تھا۔ رابعہ کو ان کی منزل اور قریب لگنے لگی تھی۔ رابعہ کے بھائیوں اور بھابھیوں نے انھیں مبارکباد دی تھی لیکن بجھے دل سے کیونکہ ان کے اپنے بچوں میں سے جتنوں نے بھی میٹرک کا امتحان دیا تھا وہ بمشکل پاس ہی ہوئے تھے۔ پھر اسی شام ان کے بڑے بھائی نے ان سے پوچھا۔

''اب معیز نے آگے کیا کرنا ہے؟''

''آگے کالج میں ایڈمیشن لے گا۔'' رابعہ نے بے حد خوشی سے کہا تھا کیونکہ پہلی بار بھائی نے اتنی دلچسپی سے معیز کے بارے میں پوچھا تھا۔

''کالج میں ایڈمیشن لے کر وہ کیا کرے گا اب وہ اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے اس سے کہو کہ اب میرے پاس فیکٹری آ جایا کرے۔ مہینے کے اتنے روپے تو میں اسے دے ہی دوں گا کہ وہ اپنا اور تمہارا خرچ اٹھا سکے۔''

رابعہ نے گم صم ہو کر بھائی کو دیکھا تھا۔ ان کے لہجے میں ایک عجیب سی بیزاری تھی۔ یہ وہی بھائی تھا جو کسی زمانے میں کہتا تھا کہ معیز کو ڈاکٹر بننا چاہیے کیونکہ خاندان میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ رابعہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''نہیں بھائی جان! ابھی اس نے پڑھا ہی کیا ہے۔ آج کل خالی میٹرک کو کون پوچھتا ہے۔ ابھی تو اس نے آگے پڑھنا ہے۔ پھر اسے شوق بھی ہے۔'' ان کے لہجے میں لجاجت تھی۔ ان کا بھائی خاموش رہا تھا مگر اس نے جن نظروں سے رابعہ کو دیکھا تھا وہ رابعہ کے وجود کو بھکاری بنا گئی تھیں۔ بیٹے کی کامیابی کی ساری خوشی یک دم ختم ہو گئی تھی۔ لیکن صحیح معنوں میں قیامت تو ان پر تب ٹوٹی تھی جب معیز نے بھی کالج میں داخلہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

''مجھے پڑھ کر آخر کرنا کیا ہے۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔''

رابعہ کو اس کی بات سن کر اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

''معیز! تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ان کے لہجے میں بلا کی بے یقینی تھی۔

''ہاں امی! میں اب پڑھنا نہیں چاہتا۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں آخر کب تک ہم دوسروں کا کھاتے رہیں گے؟ اس نے پھر پہلے کی طرح اپنی بات دہرائی تھی۔

''کیا کام کرو گے؟ میٹرک پاس کو کون ملازمت دیتا ہے اگر تمھیں دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے کا اتنا ہی احساس ہے تو کچھ بن کر دکھاؤ۔ اسی لیے کہتی ہوں اپنی تعلیم جاری رکھو۔ ڈاکٹر بنو۔ تم نہیں جانتے تمھارے باپ کو کتنی خواہش تھی تمھیں ڈاکٹر بنانے کی۔ کتنے خواب دیکھے تھے انھوں نے تمھارے لیے۔''

وہ ان کی بات پر بڑے عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

''امی! سارے خواب پورے نہیں ہوتے اور جب یہ پتا چل جائے کہ کوئی خواب پورا نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے یہ زندگی میں سکون کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا میں ڈاکٹر بننا نہیں چاہتا تھا۔ چاہتا تھا بالکل چاہتا تھا لیکن جب میں نے آپ کو فیس اور دوسرے اخراجات کے لیے دوسروں کی منت سماجت کرتے دیکھا تو میں نے اپنے دماغ سے ایسے سارے خواب نکال دیے۔''

''تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ یہ سب کیوں سوچتے ہو، تم صرف اپنی تعلیم کے بارے میں سوچو، اخراجات کی فکر مت کرو۔''

وہ ماں کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ ''ڈاکٹر بننے کے لیے لاکھوں روپے چاہیے کہاں سے لائیں گی آپ اتنا روپیہ آپ مجھے روپیہ دکھا دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ڈاکٹر بن کر دکھا دوں گا۔'' اس بار اس نے بڑے خشک لہجے میں ماں سے کہا تھا۔

''میں لے آؤں گی روپیہ، چاہے مجھے اپنے بھائیوں کی منتیں ہی کیوں نہ کرنی پڑیں۔''

''امی! یہ دو چار ہزار کی بات نہیں ہے۔ لاکھوں کا معاملہ ہے۔ آپ کیوں اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ آپ کے بھائی آپ کو فوراً روپیہ دے دیں گے۔ وہ مجھ پر روپیہ کیوں خرچ کریں گے، اس سے انھیں کیا فائدہ ہوگا۔ میں ان کی اپنی اولاد نہیں ہوں۔ آپ بھی یہ بات سمجھ لیں اور خدا کے لیے ان خوابوں سے باہر آ جائیں اور فرض کریں۔ میں ڈاکٹر بن بھی جاؤں تب بھی کیا ہوگا۔ پہلے ہاؤس جاب کے لیے سفارشیں ڈھونڈوں گا پھر جاب کے لیے اور اگر بغیر کسی سفارش کے جاب مل بھی جائے تو اس سے کیا ہوگا۔ وہ چار پانچ ہزار روپے میں کیا کروں گا۔ نہیں امی! جو مجھے چاہیے وہ چار پانچ ہزار روپے سے بہت زیادہ ہے۔ میرے ڈاکٹر بننے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

رابعہ پتھر کا بت بنی ہوئی اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ انھیں لگا تھا سات سال پہلے کا معیز واپس آ گیا تھا۔ ضد کرنے والا، کسی کی نہ سننے والا۔ اس کے لہجے میں اتنی ہی قطعیت تھی۔ وہ اپنے لہجے سے کسی طور پر بھی پندرہ سالہ لڑکا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر انھیں جو سنجیدگی نظر آئی تھی۔ وہ تو انھوں نے کبھی کسی ادھیڑ عمر آدمی کے چہرے پر بھی نہیں دیکھی تھی۔ رابعہ کو بے تحاشا رونا آیا۔

''تمھیں تعلیم دلوانے کے لیے ہی تو میں یہ سارا عذاب سہہ رہی ہوں اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم بھی میرے ساتھ دوسروں والا سلوک کرو گے تو میں بھی اسی وقت خودکشی کر لیتی جب تمہارا باپ مرا تھا۔''

وہ کہتے کہتے رونے لگی تھیں۔ وہ ماں کی آنکھوں میں اترتی نمی دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ بے اختیار وہ ماں کے پاس آیا اور ان کے ہاتھ چہرے سے ہٹانے لگا۔

''امی! میری طرف دیکھیں۔ پلیز میری طرف دیکھیں۔'' اس کی آواز میں التجا تھی۔

''کیا دیکھوں۔ میں تمہاری طرف کیا دیکھوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے کیا مل جائے گا؟'' وہ اسی طرح چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپے روتی رہیں۔

''میرے ساتھ ایسا مت کریں امی! کم از کم آپ تو ایسا نہ کریں، آپ کو کیا لگتا ہے۔ کیا مجھے تعلیم چھوڑ کر بہت خوشی ہوگی۔ میرا دل جانتا ہے یہ فیصلہ میں نے کس طرح کیا ہے لیکن میں کیا کروں۔ میں آپ کی طرح آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ گھر یہ لوگ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ میں اب ان کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتا امی! مجھے اپنے وجود سے گھن آتی ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی کتا ہوں جسے یہ لوگ دو وقت کی روٹی دیتے ہیں۔ آپ کیوں آئی تھیں یہاں؟ آخر کیوں آئی تھیں ان لوگوں کے پاس۔ میرا باپ ہی مرا تھا دنیا تو ختم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ کہیں محنت مزدوری کر لیتیں۔ کہیں برتن دھو لیتیں۔ کسی گھر میں کام کر لیتیں مگر مجھے یہاں کبھی نہ لاتیں۔''

وہ پہلی بار معیز کو اس طرح بلکتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ اس کے آنسو دیکھ کر وہ اپنا رونا بھول گئی تھیں۔ معیز کیا سوچتا تھا کیا چاہتا تھا۔ یہ انہیں اس دن پتا چل رہا تھا۔ وہ پتا نہیں کس کس بات کی شکایت کر رہا تھا، رابعہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی جا رہی تھیں۔ انہوں نے معیز کو آسائشیں دینے کے لیے اپنے بھائیوں کے در پر آنا پسند کیا تھا اور آج وہی بیٹا اس آرام و آسائش سے نفرت کر رہا تھا۔

''امی! یہ دیکھیں! میرے ہاتھوں کو دیکھیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ یہ ایک مزدور کے ہاتھ ہیں۔ میں پچھلے تین سال سے کام کر رہا ہوں اور اب محنت کے علاوہ مجھے کچھ اور سوٹ نہیں کرے گا۔''

وہ اپنے ہاتھ ان کے سامنے پھیلائے کہہ رہا تھا۔ رابعہ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''معیز! تم کام کرتے ہو؟'' رابعہ نے بے یقینی سے اس سے پوچھا۔

''ہاں!'' معیز کے لہجے میں ایک عجیب سا تفاخر تھا میں نے کام اس وقت شروع کیا تھا جب میں آٹھویں کلاس میں تھا۔ میرے دوست کے باپ کی لیدر جیکٹس کی فیکٹری ہے، وہاں میں نے لیدر جیکٹس کی کٹنگ اور سلائی سیکھی ہے۔ میں آپ سے کہتا تھا کہ میں اپنے دوست کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ میں پڑھتا نہیں تھا میں یہ کام سیکھنے جاتا تھا اور اب تو میں پارٹ ٹائم کام کر کے ہزار ڈیڑھ ہزار کما لیتا ہوں اور امی! مجھے یہی سب کچھ کرنا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ میرے لیے اب آپ کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں پڑیں گے۔''

اس نے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

''میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا جو آپ اس طرح رو رہی ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ میں اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو گیا ہوں۔ مجھے ابھی آپ کے لیے بہت کچھ کرنا ہے اگر آپ اس طرح میرے راستے میں دیواریں کھڑی کریں گی تو میں کیا کروں گا۔''

معیز جیسے منت کر رہا تھا۔ رابعہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''ٹھیک ہے۔تم جیسا چاہتے ہو ویسا ہی کرو۔''

یہ واحد جملہ تھا جو رابعہ کے منہ سے نکلا تھا اور پھر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ رابعہ کے دل میں جیسے جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ آج ان کے سارے خوابوں کے چکنا چور ہونے کا دن تھا۔

.....✿.....

عجیب سی بے حسی تھی جو رابعہ پر طاری ہوگئی تھی۔ اب انھیں گھر کے کاموں میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ اس لیے گھر کے کاموں میں جتی رہتی تھیں کیونکہ انھیں معیز کے اخراجات کے لیے روپوں کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ روپے وہ ان سے لیتی تھیں لیکن اب یک دم انھیں روپے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ معیز اپنا سارا خرچ خود اٹھاتا تھا اور انھیں بھی ہر ماہ اتنے روپے دے دیتا تھا کہ انھیں کسی دوسرے سے روپے مانگنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

انھوں نے صرف ایک بار اپنے بھائیوں سے روپے لینے سے انکار کیا تھا اور ان کے بھائیوں نے دوبارہ جھوٹے منہ انھیں روپے لینے کے لیے نہیں کہا تھا۔ شاید وہ بھی اس ذمہ داری سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہتے تھے اور اب آہستہ آہستہ انھیں معیز صحیح لگنے لگا تھا۔ وہ مرد تھا، عمر اور تجربہ میں ان سے کم ہی سہی مگر بہر حال جذبات کی آنکھ سے دیکھنے والی عورت نہیں تھا۔ اب انھیں احساس ہونے لگا تھا کہ جو بھائی ہر ماہ انھیں ہزار روپے دیتے دیتے تنگ آ گئے تھے، وہ انھیں اس کی میڈیکل کی تعلیم کے اخراجات کے لیے لاکھوں روپے کہاں سے دیتے۔

انھیں معیز کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کب گھر ہوتا ہے اور کب نہیں۔ اکثر وہ رات کے گیارہ بارہ بجے آتا اور جب ماموں اس کو جھڑکتے تو وہ اوور ٹائم کا کہہ دیتا۔ اب وہ کھانا بھی وہاں سے نہیں کھاتا تھا، اگر کبھی چھٹی کا دن ہوتا تب بھی وہ اپنا کھانا باہر سے ہی لے کر آتا اور ماں کو بھی ساتھ بٹھا لیتا۔ پھر آہستہ آہستہ رابعہ کو یہ سب اچھا لگنے لگا تھا بیٹے کی کمائی تھوڑی سہی مگر پوری طرح ان کی تھی، انھیں اس روپے کو خرچ کرتے ہوئے سوچنا نہیں پڑتا تھا۔ انھیں اس سے یہ بھی نہیں کہنا پڑتا تھا کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔ وہ خود ہی ان کے لیے اکثر کچھ نہ کچھ لاتا رہتا۔ کبھی کپڑے۔ کبھی جوتے کبھی استعمال کی کوئی دوسری شے اور کبھی کھانے کے لیے کچھ۔ وہ پہلے اسے روک دیتی تھیں، اب ایسا نہیں کر پاتی تھیں۔ وہ باہر کیا کرتا تھا۔ وہ مکمل طور پر نہیں جانتی تھیں مگر یہ دعا ضرور کرتی رہتی تھیں کہ وہ کسی بری صحبت کا شکار نہ ہو۔

.....✿.....

چار سال اسی طرح گزر گئے تھے۔ معیز نے پرائیویٹ طور پر گریجویشن بھی کر لیا تھا۔ پھر ایک دن وہ ان کے پاس آیا۔

''امی! میری فیکٹری کے مالک مجھے ایک کورس کے لیے کوریا بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ یہ بات کسی سے نہ کہیں بس سب سے یہ کہہ دیں کہ میں کسی کورس کے لیے کراچی گیا ہوں۔''

رابعہ نے کسی تردد کے بغیر اس کی بات مان لی تھی۔ پھر وہ کوریا چلا گیا۔ وہ انھیں خط نہیں لکھتا تھا، اکثر فون پر بات کرتا تھا۔ جب پورا سال وہ گھر نہیں آیا حتیٰ کہ عیدوں پر بھی تو ان کے بھائیوں نے کافی شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا کہ شاید وہ کسی غلط صحبت میں پڑ گیا ہے اور پتا نہیں وہ واقعی

کراچی کورس کرنے گیا ہے یا نہیں۔ انھوں نے رابعہ سے اس کا کراچی کا ایڈریس اور فیکٹری کا پتا پوچھنے کی کوشش کی تھی جہاں وہ کام کرتا تھا مگر رابعہ کو دونوں جگہوں کا پتا نہیں تھا۔ ان کے بھائیوں نے چند دن تک معیز کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا تھا مگر کچھ دن گزرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اسے بھول گئے تھے۔ مگر رابعہ کی بھابھیاں انھیں یہ جتانا کبھی نہ بھولتیں کہ وہ بیٹا ہو کر ان سے بالکل لاپروا ہے اور انھوں نے اتنے سالوں سے انھیں اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

سال گزرنے کے بعد جس خاموشی سے وہ باہر گیا تھا۔ اسی خاموشی سے وہ واپس آ گیا تھا ایک بار پھر وہ پہلے ہی کی طرح اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ لیکن اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ مطمئن اور خوش نظر آتا تھا۔

❁

''امی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے؟''

اس دن وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

جہاں میں کام کرتا ہوں وہ جگہ یہاں سے بہت دور ہے۔ آنے جانے میں مجھے بہت پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ وہیں قریب کوئی گھر لے لوں اور آپ کو بھی وہیں لے جاؤں۔ اس طرح مجھے اتنی دور نہیں آنا پڑے گا اور پھر مجھے گھر کی سہولت بھی ہو جائے گی۔'' اس نے ماں سے کہا تھا۔

''نہیں معیز! میں ابھی وہاں کیسے جا سکتی ہوں۔ تمھیں معلوم ہی ہے تمہاری نانی کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ ان کا خیال میں ہی رکھتی ہوں اگر میں چلی گئی تو ان کی دیکھ بھال کون کرے گا اور ویسے بھی تم تو کام پر چلے جایا کرو گے پھر میں پیچھے سارا دن کیا کروں گی؟''

''امی! ہم نانی کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔''

''تمھارے ماموں یہ کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ امی میرے ساتھ رہیں۔''

وہ ان کی بات پر خفگی سے انھیں دیکھنے لگا۔

''امی! دیکھیں مجھ سے روز روز یہاں نہیں آیا جاتا۔ کرائے پر بہت سے روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں رات کو دیر سے آتا ہوں تو ماموں بھی اعتراض کرتے ہیں۔ کل انھوں نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ اگر مجھے اتنی دیر ہو جایا کرے تو گھر میں آنے کے بجائے وہیں فیکٹری میں ہی رک جایا کروں۔ کیونکہ میرے دیر سے گھر آنے پر دوسرے لڑکوں پر برا اثر پڑ رہا ہے۔'' وہ کافی بے چین تھا۔

''معیز! تم ایسا کرو کہ تم کوئی گھر لے لو ہفتے میں دو تین بار تم مجھ سے ملنے آ جایا کرو۔ اس طرح تمھیں سہولت رہے گی۔''

معیز نے کچھ حیرانی سے رابعہ کو دیکھا تھا۔

''یعنی امی! آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔'' پتا نہیں کیوں معیز کو اس بات سے تکلیف پہنچی تھی۔

''دیکھو معیز! میں تمہاری نانی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اتنے عرصے سے انھوں نے ہمارا خیال رکھا ہوا تھا اب ضرورت کے وقت میں انھیں کیسے

چھوڑ دوں پھر مجھے ساری زندگی تمھارے ساتھ ہی تو رہنا ہے۔"

انھوں نے اس بار بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھایا تھا وہ ہونٹ بھینچے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے امی! لیکن اب آپ ذہنی طور پر یہ گھر چھوڑنے کی تیاری کر لیں۔ اب میں اتنا کما لیتا ہوں کہ ہم دونوں الگ رہ سکیں۔"

اس نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔ رابعہ یک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔ آج پہلی بار انھوں نے اس کا چہرہ اتنے غور سے دیکھا تھا وہ بہت خوبصورت نہیں تھا لیکن دراز قد اور سڈول جسم نے اسے بے حد پرکشش بنا دیا تھا۔ انھیں وہ بالکل ناصر کی طرح لگا، وہ بھی اس کی طرح دراز قد تھے اور نقوش کے اعتبار سے بھی وہ ناصر سے مشابہہ تھا۔ وہی گندمی رنگ جس کی بنا پر وہ بچپن میں اپنے کزن کے تمسخر کا نشانہ بنتا رہا تھا، اب اس پر سج رہا تھا۔ وہ بائیس سال کا تھا لیکن اپنے قد و قامت سے اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ انھوں نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔ جوان اور سعادت مند بیٹا کیسی نعمت کیسا سہارا ہوتا ہے۔ یہ انھیں آج پتا چلا تھا۔ انھیں اچانک یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ اب کسی کی محتاج نہیں رہیں۔ اب وہ جب چاہتیں، اس گھر کو چھوڑ سکتی تھیں۔

معیز دوسرے دن اپنا سامان لے گیا تھا اس نے انھیں بتایا تھا کہ ابھی وہ فیکٹری میں ہی رہے گا۔ کیونکہ اس طرح اسے زیادہ آسانی ہوگی۔ جاتے ہوئے وہ رابعہ کے ساتھ اپنے ماموں کے پاس گیا تھا۔ جنھوں نے اس بات کا قطعاً نوٹس نہیں لیا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے۔ ہاں انھوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اب اسے اپنا گھر بنا لینا چاہیے جہاں اپنی ماں کو رکھ سکے۔ رابعہ کو بیٹے کے سامنے بھائی کی اس بات پر بے پناہ خجالت ہوئی تھی مگر معیز نے ماموں کی بات پر جی کہہ کر بڑی فرمانبرداری سے سر ہلا دیا تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ معیز اب جب بھی ان سے ملنے آتا تو بہت تھوڑی دیر کے لیے رکتا تھا لیکن وہ تقریباً روز انھیں فون ضرور کرتا تھا۔ رابعہ کو اس کی کمی تو محسوس ہوتی تھی مگر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتی تھیں کہ بہر حال وہ خوش تو ہے نا۔

www.paksociety.com

پھر انھیں دنوں ان کے چھوٹے بھائی کی بیٹی سعدیہ کی بات طے کر دی گئی تھی۔ انھیں اس بات کا تب پتا چلا جب ان کی بھابھی نے اپنی ساس کو اس بارے میں اطلاع دی تھی۔ رابعہ بھی اس وقت ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے بھونچکا رہ گئی تھیں۔ بھائیوں کی تمام بے التفاتی کے باوجود انھیں پتا نہیں یہ یقین کیوں تھا کہ وہ سعدیہ کی شادی معیز سے ہی کریں گے کیونکہ معیز کے ساتھ بچپن سے اس کی نسبت طے تھی۔ مگر ایک بار پھر ان کی امیدیں غلط ثابت ہوئی تھیں۔

''لیکن بھابھی! سعدیہ کی نسبت تو بچپن سے معیز سے طے ہے۔ آپ اس کا رشتہ کہیں اور کیسے کر سکتی ہیں، معیز سے اس کی نسبت آپ لوگوں کے اصرار پر ہی طے ہوئی تھی۔''

رابعہ خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔ بھابھی نے تیکھی نظروں سے انھیں گھورا اور کہا۔

''کون سی نسبت اور کہاں کی نسبت؟ وہ نسبت طے کرنے والے بھی تمھارے بھائی تھے اور یہ نسبت طے کرنے والے بھی تمھارے بھائی ہیں۔ تمھیں جو بھی کہنا ہے، وہ ان سے کہو مگر ایک بات ذہن میں رکھنا، سعدیہ کبھی بھی تمھاری بہو نہیں بن سکتی۔ میں اپنی بیٹی کو کنویں میں نہیں دھکیل سکتی۔ تمھارا بیٹا ہے کیا؟''

وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

رابعہ نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''حوصلہ رکھو رابعہ! میں تمھارے بھائی سے بات کروں گی۔''

ان کی امی نے جس طرح انھیں تسلی دی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خود بھی اس رشتے کے بارے میں کچھ زیادہ پُر امید نہیں تھیں۔ لیکن انھیں خود بیٹے سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرنی پڑی۔ شام ہوتے ہی وہ دندناتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئے تھے۔ نہ صرف وہ بلکہ رابعہ کے دوسرے دونوں بھائی بھی آ گئے تھے۔ انھوں نے رابعہ کے سلام کا جواب دیے بغیر کڑے تیوروں کے ساتھ کہا تھا۔

''کون سے رشتے اور نسبت کی بات کی تھی تم نے یاسمین سے؟'' انھوں نے اپنی بیوی کا نام لیا۔

''بھائی جان! آپ نے بچپن میں خود ہی۔''

ان کے بھائی نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے جو کہا تھا غلط کہا تھا، بکواس کی تھی۔ تم اپنے بیٹے کو کس برتے پر رشتے کے لیے پیش کر رہی ہو، وہ ہے کیا چیز؟ کیا وہ کسی بھی بات میں میری بیٹی کے برابر ہے۔ اس کی تعلیم دیکھو اور میری ایم اے پاس بیٹی کو دیکھو، وہ چار پانچ ہزار کمانے والا کاریگر ہے اور میری فیکٹری میں ایسے چالیس کاریگر کام کرتے ہیں۔ وہ جتنی رقم ہر مہینے کماتا ہے۔ میں اتنی رقم ہر ماہ اپنی بیٹی کو خرچ کے لیے دیتا ہوں۔ باقی باتوں کو تو چھوڑو۔ تم شکل دیکھو اپنے بیٹے کی۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ میری بیٹی کے ساتھ کھڑا بھی ہو سکے اور تم مجھے نسبتیں یاد دلا رہی ہو۔ ہمارے ٹکڑوں پر پل کر جوان ہونے والے کو کیا ہم ساری عمر اپنے سر پر مسلط رکھیں۔''

باتیں نہیں خنجر تھے جو وہ باری باری رابعہ کے دل میں گاڑتے چلے جا رہے تھے۔

''میرا ہونے والا داماد اسسٹنٹ کمشنر ہے اور تمہارا بیٹا تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ کہیں چپڑاسی بھرتی ہو سکے۔''

''بھائی جان! میں نے سعدیہ کا رشتہ نہیں مانگا تھا۔ آپ نے خود اس کا رشتہ دیا تھا جو باتیں آپ آج کہہ رہے ہیں وہ آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھیں۔'' رابعہ نے بھرائی ہوئی آواز میں ان سے کہا۔

''ہر باپ اپنی اولاد کا اچھا ہی چاہتا ہے۔ اس وقت مجھے لگتا تھا کہ تمھارے بیٹے سے بیاہ کر میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا لیکن تم تو اتنی احمق نکلیں کہ اپنا مستقبل محفوظ نہیں رکھ سکیں۔ میری بیٹی کا کیا رکھتیں۔ جو کچھ تمھارے پاس تھا تم نے شوہر پر خرچ کر دیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ تمھیں اتنی عقل نہیں تھی کہ بیٹے کے لیے ہی کچھ بچا لیتیں جو آج اس کے کام آتا لیکن تم نے تو سب کچھ ناصر پر خرچ کر دیا اور تمھیں اس کا کیا فائدہ ہوا۔''

ان کا بھائی انھیں عقل سکھا رہا تھا کہ وہ روپیہ بچا لیتیں اور شوہر کو مرنے دیتیں، وہ روپیہ جسے جمع کرنے میں ان کا کوئی رول نہیں تھا رابعہ دل چاہا وہ ان سے پوچھیں کیا یہی سبق وہ اپنی بیوی کو دینا پسند کریں گے۔ مگر انھوں نے صرف اتنا کہا تھا۔

''ٹھیک ہے بھائی جان! مجھ سے غلطی ہو گئی کہ میں سعدیہ کا ذکر لے بیٹھی۔ آپ سے بہتر اس کا برا بھلا کون سوچ سکتا ہے۔''

وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ کسی دوسرے بھائی، بھابھی نے ان کی حمایت میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ سگے رشتوں سے جو تھوڑی بہت انسیت تھی وہ بھی اس دن انھیں ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اسی لیے آج جب تین دن بعد معیز ان سے ملنے آیا تھا تو انھوں نے اسے گھر تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔

''لیکن امی! آخر بات کیا ہے۔ پہلے تو بالکل انکار کر رہی تھیں اور اب؟'' معیز کو ماں کی رضامندی پر حیرانی ہو رہی تھی۔

بیٹے کے نرم لہجے پر خود پر ضبط کرتے ہوئے بھی ان کا جی بھر آیا۔

''سعدیہ کی منگنی ہو گئی ہے۔'' انھوں نے بھیگی آنکھوں سے اسے بتایا۔

تو اس میں رونے والی کیا بات ہے؟'' ماں کے آنسو اس کی سمجھ سے باہر تھے اور رابعہ کے لیے اس کا رویہ ایک لمحہ کو بھی ایسا نہیں لگا تھا جیسے اسے کوئی ملال ہو۔

''کیا سعدیہ کی منگنی ہونے پر میرے لیے رونے والی کوئی بات نہیں ہے؟'' رابعہ نے شاکی لہجے میں اس سے پوچھا۔

''ہاں امی! آپ کے لیے رونے والی اس میں کیا بات ہے۔ آخر اس کی شادی تو اس کے ماں باپ نے کرنی ہی تھی پھر خاندان میں ابھی اور بھی لڑکیاں ہیں۔ کیا آپ سب کی منگنی پر اسی طرح روئیں گی؟''

''سعدیہ کوئی دوسری لڑکی نہیں ہے۔ وہ بچپن سے تم سے منسوب تھی پھر اب۔'' ایک بار پھر ان کے آنسو چھلک پڑے تھے۔

وہ بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ماں کی افسردگی کا سبب کیا تھا۔ اس کے ذہن میں کہیں دور دور تک بھی سعدیہ اور اپنی نسبت کا خیال نہیں تھا، کیونکہ اس نے سعدیہ کو کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ اس خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی

اور اسے اس خوبصورتی کا احساس بھی تھا وہ اگر ان حالات کا شکار نہ ہوتا تو شاید وہ بھی بری طرح سعدیہ کے عشق میں گرفتار ہوتا لیکن ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے ساتھ سعدیہ کا جو ہتک آمیز سلوک دیکھا تھا اس نے معیز کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا تھا۔ اب اسے ماں کے رونے پر ہنسی آ رہی تھی۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ اسے اس نسبت کے ٹوٹنے کا سن کر بہت دکھ ہوگا۔ اس نے بڑے پیار سے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''امی اگر اس کی منگنی ہوگئی ہے تو یہ بہت اچھا ہوا ہے۔ آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ماموں مجھ سے اس کی شادی کر دیں گے۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچا اور ویسے بھی میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ اس کے ماں باپ سب والدین کی طرح اپنی بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتے تھے اور یقیناً یہ خوشی دولت سے وابستہ ہوتی ہے اور میرے پاس دولت ہی نہیں ہے اور نہ ہی ابھی آنے کی امید ہے۔ پھر وہ کس آس میں سعدیہ کی زندگی برباد کریں۔ انھوں نے جو کچھ کیا، بالکل ٹھیک کیا ہے۔ آپ خوامخواہ اتنی چھوٹی سی بات کو دل پر نہ لگائیں۔''

اس نے بڑی نرمی سے انھیں سمجھایا تھا۔

''کیا ٹھیک کیا انھوں نے؟ دھوکا دیا ہے، وعدہ خلافی کی ہے میں دیکھتی اگر ناصر زندہ ہوتے تو وہ یہ سب کیسے کرتے۔ اسی لیے میں تم سے کہتی تھی کہ تعلیم نہ چھوڑو۔ پڑھو کچھ بن جاؤ تا کہ دولت میں نہ سہی تعلیم میں تو تم اس کے برابر کے ہوتے، پھر کوئی تمھیں اس طرح رد نہ کرتا۔''

انھیں اب اس پر غصہ آ رہا تھا مگر وہ سر جھکائے بڑے اطمینان سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''تم نے سعدیہ کے بارے میں کچھ سوچا ہو یا نہ سوچا ہو۔ میں نے تو ہمیشہ ہی اسے اپنی بہو سمجھا ہے۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے تم دونوں کے لیے۔'' وہ ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگیں۔

''امی! اب بس کریں۔ جانے دیں اس بات کو۔ مجھے کوئی دکھ نہیں۔ کوئی افسوس نہیں ہے تو آپ کو کیوں ہے اور صاف بات تو یہ ہے کہ ابا اگر زندہ ہوتے اور میرے پاس بے تحاشا دولت ہوتی تو میں تب بھی کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔ چاہے آپ نے نسبت کے بجائے نکاح ہی کیوں نہ کیا ہوتا۔ وہ بہت ناز نخروں میں پلی ہے اسے اپنے حسن اور دولت پر بہت غرور ہے اور امی! میں بہت سادہ بندہ ہوں۔ زندگی کو بہت آرام اور سکون سے گزارنا چاہتا ہوں۔ بیوی خوبصورت چاہے ہو یا نہ ہو لیکن اس کی فطرت ضرور اچھی ہو۔ وہ کم از کم میری عزت ضرور کرے میری ہر مہربانی ہر عنایت کو اپنا حق نہ سمجھے اور آپ کی عزت کرے لیکن امی؟ آپ کی بھتیجی میں ایسی کوئی خصوصیات نہیں ہیں۔ اب آپ یہ بے کار کا رونا دھونا ختم کر دیں۔ میں چند دن کے لیے کراچی جا رہا ہوں آپ میری عدم موجودگی میں اپنا سامان پیک کر لیجئے گا۔ میں جس دن واپس آیا اسی دن آپ کو لے جاؤں گا۔''

رابعہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معیز میں کیا کیا تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ انھیں یاد تھا۔

بچپن میں وہ سعدیہ سے بے تحاشا محبت کرتا تھا اگر کسی کے لیے وہ تھوڑا بہت ایثار کرتا تھا تو وہ سعدیہ ہی تھی۔ مسقط واپس جا کر بھی وہ ضد کر کے فون پر اس سے بات ضرور کیا کرتا تھا اور جب بھی اپنے لیے کچھ لیتا تو ضد کر کے وہی چیز سعدیہ کے لیے بھی ضرور لیتا اور رابعہ ہر دو چار ماہ سعدیہ کے لیے درجنوں کے حساب سے کھلونے اور کپڑے بھجواتی تھیں۔ یہ تو صرف یہاں آنے کے بعد ہوا تھا کہ اس نے آہستہ آہستہ سعدیہ کے ساتھ کھیلنا بند کر دیا تھا اور اب تو یہ عالم تھا کہ اگر کبھی دونوں کا سامنا ہو جاتا تو دونوں ایک دوسرے کو مخاطب بھی نہیں کرتے تھے لیکن وہ یہ دیکھ کر بھی کبھی دلبرداشتہ

نہیں ہوئی تھیں پتا نہیں انھیں کیوں یہ لگتا تھا کہ سعدیہ کی شادی معیز سے ہی ہوگی اور کوئی اس میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور ایک بار پھر ان کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی تھی۔

معیز کو سعدیہ سے محبت ہو یا نہ ہو، انھیں سعدیہ سے بے حد محبت تھی گو سعدیہ نے کبھی بھی اس التفات کا اس گرم جوشی سے جواب نہیں دیا تھا۔ اگر وہ کبھی اس کے گھر چلی جاتیں تو وہ صرف سلام دعا کر کے پھر دوبارہ ان کے سامنے نہ آتی پھر بھی رابعہ کو اس سے بہت انس تھا۔

ان کے بھائی نے جو معیز کے بارے میں کہا تھا وہ ان کے لیے بہت تکلیف دہ تھا اور ان کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ اس سب کو بھلا دیتیں۔ معیز کی واحد خامی یہ تھی کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں تھا اور اس ایک خامی نے اس کی ساری خوبیوں کو چھپا دیا تھا۔ انھیں سب سے زیادہ اس بات پر تکلیف پہنچی تھی کہ بھائی نے معیز کی شکل وصورت کا مذاق اڑایا تھا جب انھوں نے معیز سے سعدیہ کی نسبت طے کی تھی تب بھی وہ اسی شکل و صورت کا مالک تھا لیکن تب فرق صرف دولت کا تھا انھیں ملال تھا کہ بھائی کو اگر انکار کرنا تھا تو کوئی دوسرا بہانا بنا دیتا اس طرح ذلیل تو نہ کرتا مگر سعدیہ کے باپ کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

چوتھے دن معیز کراچی سے لوٹا تھا اور اسی دن وہ ماں کو لینے آ گیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ باری باری ماں کے ساتھ تینوں ماموؤں کے پورشنز میں ملنے گیا تھا۔ چھوٹے ماموں نے اسے دیکھتے ہی اس پر برسنا شروع کر دیا۔

''کتے کو بھی چار دن روٹی ڈال دو تو وہ بھی مالک کے پیر چاٹتا ہے بھونکتا نہیں وفادار ہو جاتا ہے۔ تم تو کتے سے بھی بدتر نکلے ہو۔''

یہ جملہ تھا جو انھوں نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے سن ہو کر رہ گیا کیونکہ وہ اس بات کے سیاق وسباق سے لاعلم تھا۔

''ماموں! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''خبردار آج کے بعد تم نے مجھے کسی رشتے سے پکارا۔ تمھیں اور تمہاری ماں کو ترس کھا کر رکھا تھا اور تم آستین کے سانپ نکلے۔ اتنی جرات کیسے ہوئی تمہاری کہ میری بیٹی سے شادی کے خواب دیکھو۔ تم ہو کیا؟ اوقات کیا ہے تمہاری؟''

معیز کے ذہن میں سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ اس کے چھوٹے ماموں بری طرح گرج رہے تھے۔ ان کی بلند آواز سن کر ان کے بیوی بچے بھی لاؤنج میں آ گئے۔ معیز کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

''ماموں! میں نے امی کو رشتے کے لیے آپ۔'' اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر چھوٹے ماموں اس وقت غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ انھوں نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔ ''یہ فریب کسی اور کو دینا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ماں تمہاری مرضی کے بغیر رشتہ کی بات کرے۔ تم نے سوچا ہوگا کہ امیر ہونے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے، اسی طرح ساری عمر تم میری چوکھٹ پر پڑے رہتے۔ ذرا اپنے آپ کو دیکھو۔ ہو کیا تم؟ بھکاری جو سب کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لنڈے کے کپڑے پہن کر تم سمجھے ہو کہ نواب بن گئے ہو جسے میں بڑے شوق سے اپنی بیٹی دے دوں گا اگر اتنے ہی اونچے آدمی ہو تو اپنی ماں کو لے کر جاؤ۔ اسے اپنے پلے سے کھلاؤ۔''

معیز کو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ یہی حال رابعہ کا تھا۔ ذلت کا وہ احساس جو بچپن سے اسے گھیرے ہوئے تھا اب اپنی انتہا پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے ان کی باتیں اور طعنے سنے تھے اور پھر کچھ کہے بغیر وہاں سے نکل آیا تھا۔ رابعہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں مگر معیز کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ واپس بڑے ماموں کی طرف آ کر اس نے ماں کی چیزیں گاڑی میں رکھنا شروع کر دی تھیں۔ پھر وہ انھیں لے کر باہر آ گیا تھا۔

معیز! یہ کس کی گاڑی ہے؟'' رابعہ نے قدرے حیرانی سے اس سے پوچھا تھا۔

''امی! میری نہیں ہے، کسی دوست کی ہے۔ اس لیے لایا ہوں تاکہ آپ کو آسانی رہے۔'' رابعہ کو اس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جس نے اپنی گاڑی تمھیں دے دی ہے۔''

ہے امی ایک۔ آپ کو ملواؤں گا اس سے۔''

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''تم نے ڈرائیونگ کب سیکھی ہے؟'' رابعہ ایک بار پھر حیران ہوئی تھیں۔

''میں نے تو پتا نہیں کیا کیا سیکھ لیا ہے؟ آپ کو کیا پتا؟'' اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

پھر پورا راستہ وہ خاموش رہا تھا۔ رابعہ کے ذہن میں بھائی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ معیز کی یہ تذلیل انھیں اس وقت بے پناہ تکلیف پہنچا رہی تھی۔ وہ بار بار اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کے لیے نظر دوڑاتی رہیں۔ مگر وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جس گھر میں وہ انھیں لے کر آیا تھا، اسے دیکھ کر رابعہ کو ہول اٹھنے لگے تھے۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اس نے نیچے اتر کر رابعہ کی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ رابعہ نے نیچے اترے بغیر اس سے پوچھا۔

''یہ کس کا گھر ہے؟''

وہ بڑی پھیکی سی ہنسی ہنسا تھا۔ ''گھبرائیں مت امی! میرا نہیں ہے۔ آپ پہلے نیچے تو اتریں، پھر آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔''

اس نے ملازم کو کار کی چابی دیتے ہوئے رابعہ سے کہا تھا جو اس عرصہ میں گاڑی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ملازم نے ڈکی سے سامان اتارنا شروع کر دیا۔

''آئیں امی!'' وہ یہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ رابعہ نے کچھ پریشانی کے عالم میں اس کی پیروی کی تھی۔

یہ چاروں اطراف سے وسیع لان میں گھرا ہوا ایک چھوٹا لیکن خوبصورت بنگلہ تھا۔ وہ انھیں لے کر سیدھا اوپر کی منزل پر گیا تھا اور سیڑھیاں چڑھ کر کوریڈور میں داخل ہوتے ہی اس نے پہلے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ایک چھوٹا مگر ویل فرنشڈ روم رابعہ کی نظروں کے سامنے تھا۔

''معیز! یہ کس کا گھر ہے۔ دیکھو، مجھے سچ بتانا جھوٹ مت بولنا۔''

رابعہ نے کمرے کے اندر داخل ہونے کے بجائے اس سے پوچھا تھا۔

''امی! یہ میرے دوست کا گھر ہے۔ میں یہاں عارضی طور پر رہتا ہوں۔'' اس نے کچھ لاپروائی سے کہا تھا۔

''ایسا کون سا دوست بن گیا ہے تمہارا جس نے تمھیں رہنے کے لیے یہ گھر دے دیا ہے۔ گاڑی دے دی ہے۔ آخر مجھے بھی تو پتا چلے۔''

رابعہ کو اس کی بات پر اعتبار نہیں آیا تھا۔

''امی! کیا آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں ماں سے پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے تمہاری باتوں پر بالکل یقین نہیں آ رہا۔''

رابعہ نے بالکل کھرے انداز میں کہہ دیا۔ معیز نے ایک گہری سانس لی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

''امی! وہ ابھی کچھ دیر بعد یہاں آئے گا پھر آپ کو میری باتوں پر یقین آ جائے گا۔ میں ولید کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور بہت عرصے سے کر رہا ہوں اس کے پاس میں نے کام سیکھا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا جب میں اسکول میں تھا تو اکثر ولید کا ذکر کرتا تھا۔ یہ وہی ہے۔''

اس بار اس نے تفصیلاً رابعہ کو بتایا تھا۔ رابعہ ابھی بھی مطمئن نہیں ہوئی تھیں البتہ انھیں یاد آ گیا کہ اس کا ولید نامی ایک دوست ضرور اسکول میں تھا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد ولید آیا تھا۔ وہ آتے ہی ان سے اس طرح ملا تھا جیسے پہلی بار نہیں بلکہ اکثر ان سے ملتا رہا ہو۔ شام کا کھانا بھی اس نے وہیں کھایا تھا اور جب وہ واپس گیا تو رابعہ کافی حد تک مطمئن ہو چکی تھیں۔ وہ نہ صرف چہرے سے بلکہ باتوں سے بھی شریف اور سلجھا ہوا لگتا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے معیز سے کہا تھا کہ وہ رابعہ کو لے کر اس کے گھر آئے تاکہ وہ اس کی امی سے مل سکیں۔ معیز نے ہامی بھر لی تھی۔

چند دنوں بعد جب رابعہ ولید کی امی سے ملیں تو ان کے باقی ماندہ خدشات بھی ہوا ہو گئے۔ وہ بھی اسی گرم جوشی سے ملی تھیں جیسے ولید ملا تھا۔ معیز کے رویے سے لگ رہا تھا جیسے وہاں اس کا بہت آنا جانا ہو کیونکہ وہ بڑی بے تکلفی سے وہاں چل پھر رہا تھا۔ رابعہ اب بالکل مطمئن ہو چکی تھیں۔

✿

ولید اور معیز کی دوستی فورتھ کلاس میں ہوئی تھی۔ دونوں میں بظاہر کچھ بھی مشترک نہیں تھا۔ ولید کلاس کا سب سے قابل اسٹوڈنٹ تھا اور معیز اوسط درجے کا تھا لیکن جو چیز انھیں پاس لے آئی تھی، وہ اسپورٹس کا شوق تھا۔ اسپورٹس کے بارے میں معیز کی معلومات زبردست تھیں اور دوسری چیز جس نے ولید کو معیز کا گرویدہ کیا تھا، وہ معیز کی انگلش تھی۔ وہ مسقط میں ایک امریکن اسکول میں پڑھتا رہا تھا، اسی لیے وہ بڑی خوبصورت اور رواں انگلش اور عربی بولتا تھا۔ معیز کی طرف دوستی کا ہاتھ ولید نے بڑھایا تھا پھر ولید کے ساتھ رہنے سے یہ ہوا کہ معیز کی پڑھائی میں دلچسپی بڑھتی گئی۔ ناصر کی وفات کے بعد جب اس کے حالات بدلنا شروع ہوئے تو اس میں تبدیلیاں آنے لگیں اور اس نے ولید سے بھی الگ ہونے کی کوشش کی کیونکہ اب وہ خود کو ولید کے مقابلے میں کمتر محسوس کرتا تھا۔ ولید کو شروع میں اس کے رویے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی لیکن پھر اس نے ایک دن اسے پکڑ کر زبردستی اس سے پوچھنا شروع کر دیا اور اس کے پوچھنے پر معیز یک دم رونے لگا تھا۔ پھر اس نے ولید کو آہستہ آہستہ سب کچھ بتا دیا۔

ولید عمر میں اس سے ایک دو سال بڑا تھا اور بہت سمجھ دار تھا اس نے معیز کو جتائے بغیر اس طرح اپنی سرگرمیوں میں انوالو کرنا شروع کر دیا جس طرح وہ پہلے کرتا تھا۔ ان کی دوستی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور اس میں بڑا ہاتھ ولید کا تھا۔ پھر جب معیز آٹھویں کلاس میں پہنچا تو اس نے

ولید سے کہا کہ وہ اپنے باپ سے بات کرے کہ وہ اس کو اپنی فیکٹری میں آ کر کام سیکھنے دیں۔

ولید کے ڈیڈی نے پہلے تو بالکل انکار کر دیا اور انھوں نے معیز سے کہا کہ اسے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ان کو بتائے وہ اسے دے دیں گے کیونکہ وہ اسے بھی ولید کی طرح ہی سمجھتے ہیں مگر بعد میں ولید کے اصرار پر وہ معیز کو کام سکھانے پر تیار ہو گئے۔ کیونکہ ولید جانتا تھا کہ معیز مفت میں کچھ بھی لینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ ولید کے ڈیڈی نے بادل نخواستہ اسے فیکٹری آنے کی اجازت دی تھی لیکن معیز نے جس رفتار اور شوق سے کام سیکھنا شروع کیا تھا اس نے انھیں حیران کر دیا تھا۔

اسے سیکھنے کا صرف شوق ہی نہیں تھا بلکہ جنون تھا اور پھر وہ محنت سے بھی گھبراتا نہیں تھا۔ شروع میں ولید کے ڈیڈی اسے دو گھنٹے سے زیادہ وہاں رکنے نہیں دیتے تھے مگر آہستہ آہستہ وہ چار سے پانچ گھنٹے وہاں گزارنے لگا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ولید کے ڈیڈی کو اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی، وہ پہلے پہل لیدر کی جیکٹس کسی دوسری فیکٹری سے تیار کرواتے تھے اور پھر اپنی پیکنگ اور اپنی کمپنی کے ٹیگ کے ساتھ اسے ایکسپورٹ کر دیتے تھے مگر بعد میں انھوں نے خود ہی جیکٹس تیار کروانا شروع کر دیں۔

شروع میں انھوں نے ایک ڈیزائنر رکھا تھا۔ معیز نے ان ہی دنوں فیکٹری میں آنا شروع کیا تھا۔ تیرہ سال کا وہ لڑکا سولہ سال تک پہنچتے پہنچتے نہ صرف جیکٹ کی کٹنگ سیونگ بلکہ ڈیزائننگ میں بھی ماہر ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ اس نے ان کی فیکٹری کے لیے جیکٹس ڈیزائن کرنا شروع کر دیں۔

انھیں دنوں راشد صاحب نے ولید کو ہائر سیکنڈری اسکول کے بعد مزید تعلیم کے لیے باہر بھجوایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے اس کمپنی کو ٹریننگ کے لیے اس کا نام بھجوایا تھا جس کے ساتھ مل کر انھوں نے Joint venture کیا تھا، وہ تقریباً ایک سال کو ریارہ کر آیا تھا اور واپس آنے کے بعد اس نے ڈیزائننگ کے شعبے کا پورا کام اپنے سر لے لیا تھا۔ ان ہی دنوں ولید کے ڈیڈی نے اپنے بھائی سے اپنا کاروبار الگ کرنا شروع کیا تھا اور یہ معاملہ ایک بہت بڑے تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

ان دنوں معیز ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ فیکٹری کے معاملات سنبھالا کرتا اور راشد صاحب اپنے مقدمے کے سلسلے میں کورٹس کے معاملات سے نبٹا کرتے۔ پھر اچانک ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا یہ معیز اور ولید دونوں کے لیے ایک بڑا صدمہ تھا۔

ولید اپنی تعلیم چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ اس کے چچا نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور مختلف حربے استعمال کر کے مقدمہ جیت گئے تھے فیکٹری کے حصے ہو گئے تھے اور وہ بڑی فیکٹری ایک چھوٹی سی فیکٹری کی شکل میں ولید کے حصے میں آئی تھی۔ جس فرم کے نام سے وہ ساری ایکسپورٹ کرتے تھے، وہ ولید کے چچا کو مل گئی تھی۔ ولید ان معاملات میں ناتجربہ کار تھا۔ وہ کسی اور جھگڑے میں انوالو نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اس چھوٹی سی فیکٹری پر صبر کر لیا تھا۔

باپ کے چہلم کے بعد اس نے معیز سے کہا تھا کہ وہ امتحانات دینے واپس امریکہ جانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں معیز فیکٹری کا انتظام سنبھالے۔ معیز نے فیکٹری کا انتظام سنبھالنے کی ہامی بھر لی تھی اور ولید پاور آف اٹارنی اسے دے کر امریکہ چلا گیا تھا۔

فیکٹری کا انتظام سنبھالتے ہی مشکلات کا ایک پہاڑ تھا جو معیز کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ باری باری فیکٹری میں کام کرنے والے بہترین کاریگر کام چھوڑ کر ولید کے چچا کی فیکٹری میں چلے گئے تھے کیونکہ انھوں نے ان لوگوں کو بہتر تنخواہ کی آفر کی تھی۔ جو پارٹیز پہلے ان کو آرڈر دیا کرتی تھیں، وہ اب ولید کے چچا کی فیکٹری کو آرڈر دیتی تھیں کیونکہ فرم کا نام وہی استعمال کرتے تھے۔

فیکٹری کے اکاؤنٹس میں اتنا روپیہ نہیں تھا کہ معیز کوئی بڑا آرڈر لیتا۔ وہ ویسے بھی کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ فیکٹری اس کی اپنی نہیں تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی خطرہ مول لے کر وہ فیکٹری کو مزید دشواری میں ڈال دے۔ ولید تقریباً چھ ماہ باہر رہا تھا اور ان چھ ماہ میں معیز اسے ''سب اچھا ہے'' کی رپورٹیں دیتا رہا تھا کیونکہ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فیکٹری کے اکاؤنٹ سے ولید کو اس کے اخراجات کے لیے اور اس کی فیملی کو ماہانہ خرچ کے لیے روپے بھجواتا رہا۔ ان چھ ماہ میں اس نے کچھ لوکل اور کچھ چھوٹے باہر کے آرڈرز پورے کیے تھے۔ مگر ان کی تعداد کم تھی۔ چھ ماہ بعد ولید امتحانات سے فارغ ہو کر واپس آ گیا تھا۔

معیز نے اس کی واپسی پر فیکٹری کی پوری صورت حال اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ ولید کو شاک لگا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فیکٹری کے حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں مگر وہ بہت جلد اس شاک سے باہر آ گیا تھا اور ایک بار پھر اس نے اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے معیز کی مدد مانگی تھی اور معیز نے ہر چیز کو پلان کرنا شروع کر دیا تھا ان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ ان کے بہترین کاریگر انھیں چھوڑ گئے تھے اور اچھے کاریگر ملنا آسان نہیں تھا، معیز نے ولید کو مجبور کیا کہ وہ خود ان کاریگروں کے گھر جا کر انھیں زیادہ تنخواہ کی آفر دے کر واپس آنے پر مجبور کرے۔

ولید اس معاملے میں بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے نمک حرامی کی ہے اور مشکل وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر گئے ہیں پھر اب وہ انھیں کیوں واپس لائے لیکن معیز نے بہت تحمل سے دلائل کے ساتھ اسے سمجھایا تھا کہ کاریگروں کو اس کی ضرورت نہیں، اسے کاریگروں کی ضرورت ہے اور انھوں نے نمک حرامی نہیں کی۔ وہ بھی انسان تھے مجبوریوں اور ضرورتوں سے بندھے۔ ولید کے والد کے انتقال کے بعد فیکٹری کا انتظام ڈانواں ڈول تھا اور کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ فیکٹری کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے ایسی صورت حال میں جب انھیں ولید کے چچا کی طرف سے اچھی آفر ہوئی تو انھوں نے قبول کر لی۔

ولید اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ دونوں ان پرانے کاریگروں کے گھر گئے جو دس پندرہ سال سے ولید کے باپ کے پاس کام کرتے رہے تھے اور انھیں زیادہ تر ڈھونڈنا نہیں کرنا پڑا زیادہ تر کاریگر واپس آ گئے تھے۔

سب سے بڑا مسئلہ اب ان کے سامنے روپے کی فراہمی کا تھا۔ فیکٹری کے اکاؤنٹس میں زیادہ روپے نہیں تھے۔

اس مسئلے کو ولید نے حل کیا تھا اس نے اپنی فیکٹری اور گھر پر بینک سے لون لے لیا تھا، پھر دونوں کام میں جت گئے تھے۔ انھوں نے ایک نئی فرم لانچ کی اور ان ساری پارٹیز کو لیٹرز لکھے تھے جن کے ساتھ وہ پہلے بزنس کرتے تھے لیکن کسی طرف سے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا، پھر ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ ولید کچھ سیمپل بنوا کر اپنے ساتھ یورپ اور امریکہ لے کر جائے گا اور آرڈر حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جیکٹس کے یہ سیمپل

معیز نے خود ڈیزائن کیے تھے اور یہ اس کی پہلی مکمل ڈیزائننگ کا تجربہ تھا۔

ولید ان سیمپلز کو لے کر باہر چلا گیا اور اس بار انھیں مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پہلی ہی پارٹی سے انھیں دس ہزار جیکٹس کا آرڈر مل گیا تھا اور یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا آرڈر تھا۔ دونوں نے جی توڑ کر محنت سے یہ آرڈر پورا کیا تھا۔

ولید کو مال کے بارے میں زیادہ نہیں پتا تھا۔ وہ دفتری امور کو سرانجام دیتا رہا اور معیز نے ان جیکٹس کے لیے نہ صرف لیدر کی خریداری خود کی بلکہ تیاری کے ہر مرحلے میں خود انوالو رہا۔ اس نے ایک ایک جیکٹ کو خود ذاتی طور پر چیک کیا تھا۔ اس کے بعد ان کی پیکنگ کروائی تھی۔ وہ لوگ کاریگروں سے اوور ٹائم کرواتے رہے اور مقررہ وقت سے پہلے ہی انھوں نے آرڈر پورا کر دیا تھا۔

جیکٹس کی کوالٹی اور ڈیزائننگ اتنی پسند کی گئی تھی کہ فوراً ہی اسی فرم کی طرف سے انھیں ایک اور بڑا آرڈر مل گیا۔ پھر تو آرڈرز کی ایک لمبی لائن لگ گئی تھی اور بعض آرڈرز تو اتنے بڑے ہوتے کہ وہ انھیں کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ انھیں انکار کر دیتے۔ آہستہ آہستہ ان کے پاس کاریگروں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ پہلے ان کے پاس پچیس تیس کاریگر ہوتے تھے۔ پھر یہ تعداد دو سو کے قریب پہنچ گئی۔ وقتی طور پر ہائر کرنے والے کاریگروں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ انھوں نے فیکٹری کی عمارت میں بھی توسیع کی تھی اور آج کل انھوں نے کچھ نئی مشینری منگوائی ہوئی تھی جس کی تنصیب وہ اس نئے حصے میں کروا رہے تھے۔

معیز کا اگرچہ فیکٹری میں کوئی شیئر نہیں تھا اور نہ ہی اس کی ایسی کوئی خواہش تھی لیکن وہ اب پروڈکشن مینیجر کے طور پر کام کر رہا تھا اور ڈیزائننگ کے شعبے کا انچارج بھی وہی تھا۔ اس کو تقریباً تیس ہزار کے قریب تنخواہ ملتی تھی اور دوسری بہت سی سہولیات بھی مگر پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ اب اپنی الگ فیکٹری لگانا چاہتا تھا اور اسی لیے وہ اپنی تنخواہ کا بڑا حصہ بینک میں جمع کرواتا جا رہا تھا۔ پھر ان ہی دنوں اس نے ایک کرائے کے گھر میں شفٹ ہونے کی کوشش کی تھی مگر ولید نے اس سے کہا کہ وہ کرائے پر گھر لینے کے بجائے اس کے اس گھر میں شفٹ ہو جائے جہاں وہ باہر سے کاروبار کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کو ٹھہراتا تھا۔

معیز نے بہت پس و پیش کی تھی لیکن ولید نے اس کی ایک نہ سنی، اس کا کہنا تھا کہ وہ گھر زیادہ تر خالی ہی رہتا ہے اور دو منزلہ ہونے کی وجہ سے معیز اس کی کسی بھی منزل پر اپنی امی کے ساتھ رہ سکتا ہے اور بقیہ حصے میں کوئی بھی آنے والا مہمان ٹھہر سکتا ہے۔ رابعہ نے تب اپنی ماں کی وجہ سے معیز کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا اور معیز اکیلا ہی وہاں شفٹ ہو گیا تھا اور اب جب اس کی امی آنے پر تیار ہو گئی تھیں تو وہ انھیں بھی وہیں لے آیا تھا۔

رابعہ کو یہاں آتے ہی وہ بدلا ہوا لگنے لگا تھا اب وہ پہلے کی طرح سنجیدہ اور خاموش نہیں رہتا تھا بلکہ جب بھی گھر آتا تو زیادہ سے زیادہ وقت رابعہ کے پاس گزارنے کی کوشش کرتا انھیں اپنی باتیں بتاتا۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاتا ان سے مختلف قسم کے کھانوں کی فرمائش کرتا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر ہنس پڑتا، پتا نہیں وہ اپنی کون کون سی خواہش کو دبائے بیٹھا تھا۔ رابعہ کو اب احساس ہو رہا تھا کہ اکلوتی اولاد کتنی تنہائی کا شکار ہوتی ہے اور وہ بھی جو معیز جیسے حالات سے دوچار رہی ہو۔

پھر چند ہفتوں کے بعد وہ اپنی امی سے ملنے گئی تھیں۔ وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں جب سعدیہ کی امی ان کے پاس آئی تھیں اور

انھیں سعدیہ کی شادی کا کارڈ دیا تھا۔ انھوں نے بجھے دل سے وہ کارڈ لیا تھا اور وہاں سے آ گئی تھیں۔ معیز نے سعدیہ کی شادی کا کارڈ دیکھنے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ بالکل نارمل تھا۔

اس دن چھوٹے ماموں اور ان کی فیملی ایک شادی میں انوائیٹڈ تھے۔ معیز بھی ولید کے ساتھ اس شادی میں گیا ہوا تھا۔ دولہا ولید کا کاروباری دوست تھا اور اس حوالے سے معیز سے بھی اس کی اچھی جان پہچان تھی اور اس نے معیز کو بھی شادی میں انوائیٹ کیا تھا۔ چھوٹے ماموں معیز کو وہاں دیکھ کر کچھ حیران ہوئے تھے مکس گیدرنگ تھی اس لیے نہ صرف انھوں نے بلکہ ان کے بیوی بچوں نے بھی معیز کو دیکھا تھا۔

جس چیز نے انھیں زیادہ حیران کیا تھا وہ اس کا حلیہ تھا، وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ریڈ پرنٹڈ ٹائی لگائے کہیں سے بھی کوئی معمولی ورکر نہیں لگ رہا تھا۔ معیز نے بھی انھیں دیکھ لیا تھا لیکن وہ ان کی طرف نہیں آیا۔ چھوٹے ماموں پوری طرح متجسس ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے دوست سے معیز کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے ان سے کہا تھا کہ معیز کو اس کے بیٹے نے انوائیٹ کیا ہے۔ اسے معیز کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں جب چھوٹے ماموں نے زیادہ ہی تجسس کا اظہار کیا تو وہ اپنے بیٹے کے پاس گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر اس نے انھیں معیز کے بارے میں معلومات دی تھیں۔

وہ جس فرم میں پروڈکشن مینیجر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس فرم نے پچھلے سالوں سے چیمبر آف کامرس میں اپنے بڑے بڑے ایکسپورٹ آرڈرز کی وجہ سے خاصی دھوم مچائی ہوئی تھی۔ چھوٹے ماموں خود بھی لیدر گڈز کی ایکسپورٹ کا کام کرتے تھے۔ انھیں اب یاد آیا تھا کہ چیمبر آف کامرس میں جب بھی اس فرم کا ذکر ہوتا تو اس کے پروڈکشن مینیجر معیز ناصر کا ذکر بھی ہوتا جسے کئی دوسری فیکٹریز بھاری تنخواہ پر اپنے لیے کام کرنے کی آفرز کر رہی تھیں مگر تب چھوٹے ماموں کو قطعاً خیال نہیں آیا تھا کہ معیز ناصر ان کا اپنا بھانجا بھی ہو سکتا ہے۔

ان کے دوست نے ان کی کیفیت سے بے خبر انھیں معیز کے بارے میں معلومات فراہم کر دی تھیں اور اب چھوٹے ماموں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے اور کچھ یہی حال ان کے بیوی بچوں کا تھا، ان کو یاد آیا تھا چند ہفتے پہلے کس طرح انھوں نے کھڑے کھڑے اپنے گھر میں اس کی بے عزتی کی تھی اور انھوں نے یا ان کے کسی بھائی نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ دونوں کہاں گئے ہیں۔ کھانا کھانے کے دوران وہ سب گاہے بگاہے دور کھڑے ہوئے معیز کو دیکھتے رہے جو کچھ لوگوں کے ساتھ کسی گفتگو میں مصروف کھانا کھا رہا تھا۔

واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ان کی بیوی مسلسل رابعہ اور معیز پر تنقید کرتی رہی تھی مگر وہ خاموش رہے تھے اگلے دن تینوں گھروں میں معیز کے بارے میں معلومات اور خبریں گردش کر رہی تھیں اور ہر شخص بھونچکا تھا۔

ایک ہفتے کے بعد رابعہ ایک بار پھر ماں سے ملنے آئی تھیں اور وہ اس بار اپنے استقبال سے حیران ہو گئی تھی۔ وہ بھابھیاں جنھوں نے پچھلی دفعہ بمشکل ان کے سلام کا جواب دیا تھا اس بار ہنس ہنس کر ان کا حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔ پھر جب وہ اپنی ماں کے پاس آ کر بیٹھیں تو ان کی بھابھیاں باری باری وہاں آ گئی تھیں اور پھر بڑی بھابھی اصل بات زبان پر لے ہی آئی تھیں۔ انھوں نے شکوہ کیا تھا کہ رابعہ اور معیز نے انھیں غیر سمجھا

جو انہیں اس کی ترقی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

رابعہ خود بھی حیران تھیں کیونکہ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ معیز ولید کے ساتھ کام کرتا ہے مگر کس عہدے پر کام کرتا ہے اس سے وہ بے خبر تھیں پھر بھی انھوں نے اپنی بھابھیوں سے معذرت کر لی تھی۔

چند ہفتے پہلے جب وہ گھر چھوڑ کر آئی تھیں تو کسی نے جانے سے پہلے ان کے ایڈریس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور اس دن انھوں نے اصرار کر کے ان کا ایڈریس لیا تھا پھر کچھ دن بعد ہی ان کے بڑے بھائی اور بھابھی ان سے ملنے آ موجود ہوئے تھے۔ گھر کو دیکھ کر وہ خاصے مرعوب ہوئے تھے حالانکہ رابعہ نے انھیں بتا دیا تھا کہ یہ گھر ان کا نہیں ہے۔ معیز کی واپسی سے پہلے وہ چلے گئے تھے پھر تو جیسے آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ گاہے بہ گاہے ان کا کوئی نہ کوئی بہن بھائی ان سے ملنے آتا رہتا اور انھیں اپنے گھر مدعو کر جاتا۔

معیز بڑی خوش دلی اور خوش اخلاقی سے ہر ایک سے ملتا تھا حتیٰ کہ چھوٹے ماموں سے بھی جنھوں نے رابعہ سے اپنے رویے کی معذرت کر لی تھی معیز ان سے اس طرح پیش آیا تھا جیسے ان سے کبھی اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہو۔

سعدیہ کی شادی پر چھوٹے ماموں زبردستی رابعہ کو شادی سے چند دن پہلے اپنے گھر لے آئے تھے۔ معیز شادی پر نہیں آیا تھا۔ اسے کسی کام سے کراچی جانا تھا۔ شادی کی ایک ایک رسم رابعہ کو خود پر بھاری لگی۔ سعدیہ دلہن بن کر اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ انھوں نے اسے دوبارہ نظر بھر کر نہیں دیکھا کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔ لیکن انھیں بار بار معیز کا خیال آ رہا تھا وہ تصور میں اس کے شوہر کے بجائے معیز کو اس کے ساتھ بیٹھے دیکھنے لگتیں۔

انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان کی سب سے قیمتی چیز چھین کر لے جا رہا تھا۔ سعدیہ کی شادی نے انھیں بہت نڈھال کر دیا تھا جس دن وہ واپس آئی تھیں۔ معیز انھیں گھر پر ہی ملا تھا اور اس نے رسمی سے انداز میں شادی کے بارے میں پوچھا تھا۔ رابعہ کے تاثرات سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ابھی بھی ناخوش ہیں۔ اس نے ایک بار پھر ماں کو دلاسا اور تسلی دی تھی۔

www.paksociety.com

''ولید! میں اپنی الگ فیکٹری کھولنا چاہتا ہوں اور کچھ دوسری فرمز کی طرف سے مجھے جیکٹس کی ڈیزائننگ کے لیے آفرز ہیں۔ میں ان کے لیے بھی کام کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے فیکٹری کے لیے ابھی بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ میں تمھیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں اصولی طور پر تمہارا ملازم ہوں اور مجھے کسی اور کے لیے کام کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس لیے میں ریزائن کرنا چاہتا ہوں۔''

اس دن وہ ولید کے آفس میں بیٹھا اسے شاک پر شاک دے رہا تھا۔

''معیز! تمھیں کس چیز کی کمی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمھیں ہر سہولت پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تمھیں کبھی ملازم نہیں سمجھا، یہ فرم جتنی میری ہے۔ اس سے زیادہ تمہاری ہے پھر تم یہ جاب کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟'' ولید اس کی باتوں پر بھونچکا رہ گیا تھا۔

ولید! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے میں یہ بھی مانتا ہوں کہ مجھے ہر قسم کی سہولت دی گئی ہے لیکن پھر بھی میری حیثیت اس فیکٹری میں ایک

ملازم کی ہے۔ مجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ جاب تو صرف ایک آغاز تھا۔''

ولید نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ تم اگر چاہو گے تو میں تمھارے لیے بھی کام کروں گا لیکن میں اپنی الگ فیکٹری بھی قائم کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری خواہشات اور عزائم سے واقف ہو اور میری خواہشات میں صرف ایک باب شامل نہیں ہے، مجھے زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے بہت غیر جانبدار ہو کر میرے فیصلے کے بارے میں سوچو۔''

''تم فیکٹری لگانا چاہتے ہو۔ لیکن اس کے لیے تمھیں سرمایہ کہاں سے ملے گا؟'' ولید نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے سوال کیا۔

''کچھ غیر ملکی کمپنیز جن کے ساتھ میں کافی عرصے سے بات چیت کرتا آ رہا ہوں۔ ان ہی میں سے ایک کمپنی یہاں جوائنٹ وینچر کرنا چاہتی ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ وہ میرے ساتھ یہ پروجیکٹ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ کچھ روپیہ میرے پاس ہے اور کچھ میں دوسری فرمز کے لیے کام کر کے اکٹھا کر لوں گا لیکن ابھی یہ صرف منصوبے ہیں کوئی چیز بھی فائنل نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے، میں اسی سال اپنی فیکٹری شروع کر دوں ہو سکتا ہے اس میں کچھ سال لگ جائیں۔''

''تم میرے ساتھ مل کر یہ فیکٹری کیوں نہیں لگا لیتے۔'' ولید نے اچانک اسے ایک آفر دی تھی۔

''تمھارے ساتھ؟'' وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''ہاں میرے ساتھ۔ تم اپنی فیکٹری میں میرے شیئرز رکھو ساٹھ پرسنٹ تمھارے اور چالیس پرسنٹ میرے اس کے بدلے میں تمہاری فیکٹری کے لیے سرمایہ فراہم کروں گا۔ لیکن اس فیکٹری کے انتظامات میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ اس کے ورکنگ پارٹنر تم ہو گے۔''

معیز اس پیش کش پر حیران تھا۔ ''اور اگر سرمایہ ڈوب گیا تو؟'' اس نے ولید سے کہا تھا۔

''تب وہ میری ذمہ داری ہوگی۔ میں تمھیں اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہراؤں گا۔'' اس نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

''تم فیکٹری کے لیے سائٹ تلاش کرو۔''

معیز نے اس کی آفر قبول کر لی تھی۔ چند ہفتوں میں اس نے فیکٹری کے لیے سائٹ تلاش کی اور تعمیر شروع کروا دی۔ قسمت کا ہر در اس پر جیسے کھلتا ہی جا رہا تھا۔ وہ جس کمپنی کے ساتھ جوائنٹ وینچر کرنا چاہتا تھا انھوں نے اس کے ساتھ ڈیل سائن کر لی اب اگر وہ چاہتا تو ولید کے سرمائے کے بغیر بھی فیکٹری تعمیر کر سکتا تھا لیکن اس نے ولید کے ساتھ پارٹنر شپ ختم نہیں کی تھی۔ فیکٹری کے لیے عمارت اس نے تعمیر کروائی تھی اور روپیہ اور مشینری ولید اور اس کمپنی نے فراہم کیا تھا۔ ڈیڑھ سال میں یہ پروجیکٹ مکمل ہوا تھا اور پھر جیسے روپے کی ایک ریٹ ریس تھی جس میں وہ شریک ہو گیا تھا۔

پہلے اسے روپیہ کمانے کے لیے محنت کرنی پڑتی تھی اب روپیہ جیسے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ پہلے اس نے لیدر گڈز ایکسپورٹ کرنی شروع کی تھیں پھر گڈز کی رینج میں اضافہ ہوتا گیا۔ لیدر سے وہ سپورٹس گڈز کی طرف آیا اور پھر کارپٹ انڈسٹری کی طرف۔ اس کے ہاتھ جیسے کوئی پارس آ گیا تھا کہ وہ جس چیز کو بھی چھوتا وہ سونا بن جاتی۔

لوگوں کو اس کی کامیابی پر رشک آتا تھا۔ سات سال اسی طرح گزر گئے اور ان سات سالوں میں وہ ظاہری طور پر بالکل بدل گیا تھا۔ جو لوگ پہلے ان سے کتراتے تھے، اب ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ باطنی طور پر معیز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ خوش اخلاق اور نرم مزاج ہو گیا تھا۔ یہی حال رابعہ کا تھا۔

معیز کے چھوٹے ماموں نے رابعہ سے کہا تھا کہ وہ معیز کے لیے اپنی چھوٹی بیٹی کا رشتہ دینا چاہتے ہیں اور یہ پہلا موقع تھا جب رابعہ نے انھیں کسی بات پر انکار کیا تھا۔

''سجاد بھائی! اب مجھے معیز کی شادی آپ کے گھر نہیں کرنی۔ سعدیہ سے رشتہ آپ نے توڑ ڈالا تھا۔ اب پھر آپ کی چھوٹی بیٹی سے رشتہ کروں اور کل کو میرے بیٹے پر کوئی برا وقت آ جائے تو آپ تو پھر رشتہ توڑ دیں گے۔ نہیں آپ مجھے معاف کر دیجیے گا لیکن میں یہ رشتہ نہیں کروں گی۔''

سجاد بھائی کو ان کا جواب طمانچے کی طرح لگا تھا لیکن وہ جواب میں کچھ بول نہیں پائے اور وہ خاندان میں واحد نہیں تھے جو اپنی بیٹی کے لیے معیز کا رشتہ چاہتے تھے۔ لیکن معیز خاندان میں شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور رابعہ کا اصرار بھی اسے خاندان میں شادی پر آمادہ نہیں کر سکا تھا۔

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

وہ موڑ کاٹ رہی تھی جب اس نے ایک بوڑھی عورت کو ایک گاڑی سے ٹکراتے اور دور گرتے دیکھا۔ وہ گاڑی رکنے کے بجائے ایک طوفانی رفتار سے وہاں سے نکل گئی تھی۔ اسے عورت کی فکر لاحق ہوگئی اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے وہ اس جگہ آئی، جہاں وہ عورت گری تھی۔ تیزی سے وہ اس عورت کے پاس آئی اور سیدھا کیا۔ وہ عورت کراہ رہی تھی اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھا اور پھر ایک آتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ دے کر روکا اور اسے ڈرائیو کرنے والے آدمی کے ساتھ مل کر بوڑھی عورت کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں لٹا دیا۔ عورت نیم غشی کے عالم میں تھی، پھر وہ سیدھی اسے ایک پرائیویٹ کلینک لے آئی، نرس اور وارڈ بوائے نے جب اس عورت کو اسٹریچر پر منتقل کیا تھا تو وہ تب بھی کراہ رہی تھی۔

اس نے اس عورت کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی چیک اپ کے بعد ڈاکٹرز نے اسے بتایا تھا کہ اس عورت کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور اس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ آپریشن کے لیے انھوں نے جتنی رقم مانگی تھی وہ اس کے پاس نہیں تھی۔ اسنے کاؤنٹر پر ریسپشنسٹ کو کہا کہ وہ یہ رقم گھر سے لے آتی ہے تب تک وہ گارنٹی کے طور پر اس کا لاکٹ اور ایئر رنگز رکھ لیں اور اس عورت کا آپریشن کر دیں تا کہ وہ اس طرح تکلیف سے تڑپتی نہ رہے۔ ریسپشنسٹ نے ڈاکٹر سے بات کی اور پھر اس نے اس کا لاکٹ اور ایئر رنگز رکھ لیے۔ وہ گھر آئی اور وہاں سے چیک بک لے کر بینک گئی۔ جب وہ واپس ہاسپٹل پہنچی تو اسے پتا چلا کہ وہ عورت ہوش میں آ گئی تھی اور اس کا بیٹا اسے وہاں سے لے گیا تھا اور اس نے بل بھی ادا کر دیا تھا ریسپشنسٹ نے اسے ایک کارڈ دیا تھا جو اس عورت کا بیٹا اس کے لیے دے گیا تھا تا کہ وہ اس سے رابطہ کرے۔

اس نے کارڈ نہیں لیا تھا، اسے رابطہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے یہ جان کر ہی تسلی ہوگئی تھی کہ وہ عورت محفوظ تھی اور وہ اپنے خاندان کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ ریسپشنسٹ سے اپنی چیزیں لے کر واپس آ گئی۔

معیز کو رابعہ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع آفس میں ملی تھی اور وہ اندھا دھند اس کلینک کی طرف دوڑ پڑا، ماں کو ہوش میں دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی وہ اپنی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر بڑھاپے کی چوٹ کی تکلیف پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ ماں کو دیکھنے کے بعد وہ بل ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر پر گیا تھا۔ بل ادا کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا کہ رابعہ کو وہاں کون لایا تھا۔

''عائشہ حسن نامی ایک لڑکی تھی اس نے بتایا تھا کہ کوئی گاڑی انھیں ٹکر مار کر چلی گئی تھی اور وہ انھیں اٹھا کر یہاں لے آئی تھی۔ بل کے لیے اس نے ہمیں کچھ روپے دیے تھے لیکن اس کے پاس زیادہ روپے نہیں تھے، اس لیے اس نے اپنی کچھ جیولری ہمیں دی تھی کہ ہم یہ رکھ لیں اور آپریشن کر دیں کیونکہ آپ کی والدہ کو فوری آپریشن کی ضرورت تھی۔''

ریسپشنسٹ نے بل بناتے ہوئے وہ جیولری نکال کر اس کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی۔ وہ ایک عجیب سی کیفیت میں وہاں کھڑا رہ گیا۔ پتا نہیں وہ کون تھی جس نے اپنے جسم پر سجایا ہوا زیور اس کی ماں کی جان بچانے کے لیے دے دیا تھا۔ اگر وہ لڑکی اس وقت اس کے سامنے ہوتی تو وہ شاید اس کے قدموں پر گر جاتا۔ اس وقت اس کی کچھ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔ معیز نے اس لاکٹ کو ہاتھ میں لے کر دیکھا، ایک خوبصورت تختی پر اللہ کا نام بڑے خوبصورت انداز میں منقش تھا۔ معیز نے دوبارہ اسے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ بل ادا کرتے ہوئے اس نے نرس کو اپنا کارڈ دیا۔

''دیکھیں، یہ جب واپس آئیں تو انھیں ان کے روپے اور جیولری واپس کر دیں اور انھیں یہ کارڈ دے کر کہیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے جلدی ہے کیونکہ میں اپنی امی کو کسی اچھے ہاسپٹل میں شفٹ کرنا چاہتا ہوں ورنہ میں یہیں رک کر ان کا انتظار کرتا۔''

اس نے ریسپشنسٹ سے کہا اور پھر اپنی امی کو لے کر ایک بڑے کلینک پر آ گیا۔ ایک دفعہ پھر رابعہ کے ٹیسٹ ہوئے اور دو گھنٹے کے چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ رابعہ کا آپریشن ٹھیک کیا گیا تھا اور اب اسے کسی انتہائی نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے تسلی ہو گئی تھی اس سارے عرصے کے دوران اسے بار بار اس لڑکی کا خیال آتا رہا، وہ منتظر تھا کہ وہ لڑکی کارڈ پانے کے بعد اس سے رابطہ قائم کرے لیکن اس نے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اگلے دن اس نے اپنی ماں کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا۔ رابعہ کو بے اختیار وہ آواز یاد آ گئی جو ہاسپٹل لے جاتے ہوئے مسلسل اسے کچھ کہتی رہی تھی۔ وہ عام طور پر گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں مگر چھ ماہ قبل اس نئے گھر میں منتقل ہونے کے بعد وہ اکثر ماڈل ٹاؤن کے پارک میں چلی جاتی تھیں جو گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہاں وہ کافی دیر بیٹھی رہتیں۔ لوگوں کو گھومتے دیکھتیں اور تنہائی کا احساس ختم ہو جاتا۔ اس دن بھی وہ پارک میں چہل قدمی کے بعد واپس آ رہی تھیں جب اچانک سڑک پار کرتے ہوئے وہ اس گاڑی کے سامنے آ گئیں۔ ساری غلطی نہ تو ان کی تھی نہ ہی گاڑی کے ڈرائیور کی۔ گاڑی سے ٹکرانے کے بعد وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ٹانگ اور سر میں اٹھتی ہوئی درد کی لہروں کے باوجود انھیں وہ لمس یاد تھا جو وقتاً فوقتاً ان کا ہاتھ تھام لیتا تھا۔

چند دنوں تک وہ دونوں ہی اس لڑکی کا انتظار کرتے رہے پھر رابعہ نے معیز سے کہا کہ وہ خود اس لڑکی کا پتا لگانے کی کوشش کرے معیز دوبارہ اس کلینک پر گیا تھا اور اس نے انکوائری کاؤنٹر سے اس لڑکی کا ایڈریس حاصل کرنے کی کوشش کی تھی ریسپشنسٹ نے چند منٹوں کی تلاش کے بعد عائشہ حسن کا ایڈریس اس کے سامنے کر دیا۔

''بالکل جی، نام پتا تو انھوں نے لکھوایا تھا۔ اب پتا نہیں یہ صحیح ہے یا نہیں۔'' ریسپشنسٹ نے کہا۔

معیز وہ پتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ اس کے ساتھ والے گھر کا ایڈریس تھا۔ گھر واپس جاتے ہوئے معیز گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر سے آگے لے گیا تھا اور پھر اس گھر کے آگے گاڑی روک کر وہ بڑے دھیان سے اس گھر کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ اس کے گھر کی نسبت بہت چھوٹا گھر تھا اور اس کے سامنے ایک مختصر سا لان بھی تھا۔ وہ گاڑی ٹرن کر کے واپس آ گیا۔ ایک ہفتے کے بعد وہ رابعہ کو لے کر گھر واپس آ گیا۔ ڈاکٹر کے کہنے پر اس نے رابعہ کے لیے وہیل چیئر منگوالی تھی تاکہ وہ ہر وقت گھر ہی میں نہ رہیں اور گھر میں آسانی سے پھرنے کے علاوہ باہر بھی نکل سکیں۔ ایک کل وقتی نرس بھی اس نے ان کے لیے رکھ دی۔

معیز نے رابعہ کو بتا دیا تھا کہ وہ لڑکی ان کے ساتھ والے گھر میں رہتی ہے۔ وہ بھی اس اتفاق پر حیران ہوئی تھیں۔ گھر آنے کے دوسرے ہی دن انھوں نے معیز سے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے گھر جا کر اس کا شکریہ ادا کرے اور ہو سکے تو اسے ان کے پاس لے کر آئے تاکہ وہ خود اس کا شکریہ ادا کر سکیں۔ معیز شام کو اس گھر کی طرف آیا تھا۔ بیل بجانے پر چودہ سالہ ایک لڑکا باہر آیا۔ معیز کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کہے۔

''میں آپ کے ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں۔'' اس نے ہاتھ سے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ لڑکے کے چہرے پر یک دم مرعوبیت کے آثار نمودار ہو گئے۔

''میرے ابو تو فوت ہو چکے ہیں۔ آپ اندر آئیں میں آپ کو اپنی امی سے ملوا دیتا ہوں۔''

معیز اس کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا، وہ لڑکا اسے اندرونی دروازے پر ٹھہرا کر اندر چلا گیا۔ چند منٹوں کے بعد وہ واپس آیا اور اسے اندر لے گیا۔ ایک بہت ہی ویل ڈیکوریٹڈ ڈرائنگ روم اس کے سامنے تھا۔ وہ لڑکا اسے وہاں بٹھا کر غائب ہو گیا۔ معیز طائرانہ نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتا رہا، کچھ دیر بعد وہ لڑکا ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ معیز عورت کے اندر آنے پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو بیٹا بیٹھو۔'' اس عورت نے نرمی سے اس سے کہا اور خود بھی سامنے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''میں آپ کے ساتھ والے گھر سے آیا ہوں۔ چند دن پہلے۔'' معیز نے بات شروع کی اور آہستہ آہستہ ساری باتیں بتا دیں۔ اسے اس عورت اور لڑکے کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ بہت عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''مجھے یہ تو نہیں پتہ کہ آپ کا عائشہ حسن سے کیا رشتہ ہے مگر میں ان سے مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

معیز نے اپنی بات کے اختتام پر کہا تھا۔

''بیٹا! وہ میری بیٹی ہے۔ اس وقت تو وہ آفس میں ہو گی۔ آج وہ دیر سے آئے گی۔ دراصل وہ ایک کمپنی میں سیلز آفیسر ہے۔ اسے اکثر دیر ہو جاتی ہے۔ میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گی لیکن شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تکلیف میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ میں کل تمہاری امی کی خیریت دریافت کرنے آؤں گی۔'' عائشہ کی امی نے کہا پھر بات چیت کا یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ معیز اٹھنا چاہتا تھا مگر عائشہ کی امی کے اصرار پر وہ چائے کے لیے رک گیا۔

دوسرے دن شام کو عائشہ کی امی ان کے گھر آئی تھیں۔ معیز صرف ان کے لیے خاص طور پر گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ عائشہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ اس کی امی نے ایک بار پھر اس کی طرف سے معذرت کی کہ اسے کوئی ضروری کام تھا۔ اس لیے وہ نہیں آ سکی۔

رابعہ نے عائشہ کی امی کو زبردستی کھانے پر روک لیا تھا اور کھانے پر ان کے لیے خصوصی اہتمام کیا تھا باتوں باتوں میں انھوں نے عائشہ کی امی سے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے سب سے بڑا بیٹا امریکہ میں ہوتا تھا اور اس نے وہیں شادی کر رکھی تھی۔ اس کے بعد عائشہ تھی۔ اس سے چھوٹی فریحہ تھی جس کی شادی اس کے تایا کے بیٹے سے ہوئی تھی اور ایک بیٹی اور ایک بیٹا بالترتیب بی اے اور ایف ایس سی میں پڑھتے تھے۔

عائشہ کی امی سادہ مزاج کی تھیں اور یہی خصوصیات رابعہ میں تھیں اس لیے دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے کافی محظوظ ہوئی تھیں۔

آہستہ آہستہ دونوں گھروں میں میل جول شروع ہو گیا۔ رابعہ کو عائشہ سے ملنے کا جتنا اشتیاق تھا وہ ان سے اتنا ہی کترا رہی تھی۔ ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ ان کے گھر نہیں آئی تھی۔ ہر بار اس کی امی اس کی مصروفیت کا بہانہ بنا دیتیں۔ رابعہ کا اشتیاق بڑھتا ہی گیا تھا اور یہی اشتیاق ایک دن انھیں بنا بتائے عائشہ کے گھر لے گیا تھا۔ وہ وہیل چیئر پر نرس کی مدد سے اس کے گھر گئی تھیں۔ عائشہ کی امی انھیں دیکھ کر حیران ہو گئی تھیں۔ انھوں نے رابعہ کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر ان کے اصرار پر عائشہ کو بلانے چلی گئیں۔ دس پندرہ منٹ بعد سفید کھدر کے کرتے اور سیاہ شلوار اور دوپٹہ میں ملبوس تراشیدہ بالوں والی ایک دراز قد لڑکی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ اس نے اندر آتے ہی رابعہ کو سلام کیا اور پھر صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''تم عائشہ ہو؟'' رابعہ نے بے اختیار اس سے پوچھا۔

''ہاں، آپ کیسی ہیں؟'' اس کا لہجہ اور چہرہ دونوں بے تاثر تھے مگر رابعہ کو اس وقت اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''بیٹا! میرے پاس آؤ۔'' رابعہ نے بے ساختہ بازو پھیلا دیے۔ اس نے حیرانی سے ان کو دیکھا اور پھر جیسے شش و پنج میں پڑ گئی۔ رابعہ نے ایک بار پھر اسے اپنے پاس بلایا۔ اس بار وہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آ گئی، رابعہ نے پاس آنے پر اسے گلے لگایا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ وہ یک دم جیسے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ تب ہی اس کی امی کمرے میں آ گئی تھیں۔

وہ کچھ نروس سی دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گئی۔ رابعہ اس کا شکریہ ادا کرتی رہیں مگر وہ گونگوں کی طرح گم صم بیٹھی رہی پھر کچھ دیر بعد وہ کسی کام کا بہانہ بنا کر اٹھی اور دوبارہ اندر نہیں آئی۔ رابعہ کافی دیر تک عائشہ کی امی کے پاس بیٹھی رہیں اور پھر گھر واپس آ گئیں۔

معیز جب رات کو گھر آیا تو رابعہ نے اسے عائشہ سے ملاقات کا قصہ بڑی بے چینی سے سنایا وہ ماں کی بے تابی پر مسکراتا رہا۔

''آپ ایسا کریں امی! ان کی پوری فیملی کو کھانے پر بلائیں۔ میں بھی عائشہ سے مل لوں گا اور اس کا شکریہ ادا کر دوں گا۔ آپ تو کر ہی چکی ہیں۔''

اس نے کھانا کھاتے ہوئے سرسری انداز میں رابعہ سے کہا تھا۔

''ہاں، ٹھیک ہے۔ میں ان لوگوں کو کھانے پر بلاؤں گی۔'' رابعہ کو اس کی تجویز اچھی لگی تھی۔

تیسرے دن انھوں نے عائشہ کی امی کو کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ عائشہ کی امی نے شروع میں انکار کیا مگر رابعہ نے اتنا اصرار کیا کہ وہ دعوت قبول کرنے پر تیار ہو گئیں۔ لیکن جس دن وہ لوگ کھانے پر آئے تھے اس دن عائشہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ رابعہ کو مایوسی ہوئی۔ ان کے پوچھنے پر عائشہ کی امی نے کہا کہ عائشہ آج کسی دوست کی شادی پر گئی ہے، اس وجہ سے نہیں آ سکی۔ رابعہ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئیں۔

پھر ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا تھا۔ وہ مختلف تقاریب میں عائشہ کو بلا لیتیں مگر عائشہ کی فیملی تو ان کے گھر آ جاتی مگر وہ کبھی نہیں آئی۔ دو تین بار رابعہ نے خود جا کر بھی اسے آنے کی دعوت دی وہ خاموشی سے ہامی بھر لیتی مگر پھر نہیں آتی۔ رابعہ کو یہ محسوس ہونے لگا جیسے وہ ان سے کترانے کی کوشش کرتی ہے اور یہ بات انھیں کافی عجیب لگی تھی۔ عائشہ کے گھر وہ اکثر جاتی رہتی تھیں مگر عائشہ سے ان کا سامنا بہت کم ہی ہوتا تھا اگر ہو بھی جاتا تو بھی عائشہ سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں چلی جاتی اور دوبارہ سامنے نہ آتی اور پھر اگر وہ عائشہ سے ملنا بھی چاہتیں تو بھی وہ نیچے نہ آتی اور انھیں

یوں لگتا جیسے عائشہ کی امی بھی یہ نہیں چاہتیں کہ عائشہ زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھے۔ عائشہ کے برعکس سب سے چھوٹی بہن معصومہ سارا وقت ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ رابعہ کو اس کی عادات بہت پسند تھیں اور وہ اکثر اوقات اسے اپنے گھر کسی نہ کسی کام کے لیے بلاتی رہتیں۔

.....✿.....

اس دن رابعہ نے اپنے گھر پر میلاد کروایا تھا۔ چھٹی ہونے کی وجہ سے عائشہ بھی گھر پر ہی تھی۔ رابعہ نے ایک دن پہلے عائشہ کی امی کو اس تقریب کے بارے میں بتا دیا تھا۔ حسب معمول عائشہ کی امی معصومہ کے ساتھ رابعہ کے ہاں چلی آئی تھیں۔ عائشہ کو ان کے ساتھ نہ دیکھ کر رابعہ نے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور پھر اسے خود لانے کے لیے اس کے گھر چلی آئی تھیں۔ عائشہ کے بہانوں کے باوجود وہ پہلی بار اسے زبردستی اپنے گھر لے آئی تھیں۔ یہاں آ کر عائشہ قدرے نروس ہو گئی تھی۔ رابعہ نے باری باری اسے اپنے پورے خاندان سے متعارف کروایا تھا اور وہ رابعہ کے منہ سے اپنی تعریفیں سن سن کر شرمندہ ہوتی رہی تھیں۔ رابعہ کے اصرار کی وجہ سے اسے تقریب کے اختتام تک رکنا پڑا ورنہ وہ بہت پہلے ہی واپس آ جانا چاہتی تھی۔

اس تقریب کے بعد رابعہ اسے اکثر ضد کر کے اپنے گھر لے جانے لگی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی بات مان لیتی اور ان کے گھر آ جاتی اور پھر یہ جیسے ایک معمول ہو گیا تھا۔ وہ اکثر اس وقت رابعہ کے گھر جاتی تھی۔ جب معیز گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ چھٹی والے دن بھی وہ فیکٹری چلا جایا کرتا تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں کی کبھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مگر صرف ملاقات نہیں ہوئی تھی ورنہ رابعہ کی زبانی وہ معیز کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی۔ وہ کیا کھاتا ہے۔ کیا پہنتا ہے کیا پسند کرتا ہے۔ کیا ناپسند کرتا ہے۔ اس نے بچپن کیسے گزارا ہے کتنی محنت کی ہے کون کون سی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ کیسی تنگی دیکھی ہے۔

رابعہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ان کی زبان پر ہر وقت معیز کا نام ہی رہتا تھا۔ وہ چپ چاپ ان کی زبان سے معیز کے قصے سنتے رہتی اور ان کا چہرہ دیکھتی رہتی۔ معیز کے نام پر ان کا چہرہ چمکنے لگتا تھا۔

شروع شروع میں وہ صرف مروتاً رابعہ سے معیز کے قصے سنا کرتی تھی اور اکثر رابعہ کی ایسی گفتگو کے دوران اس کا دماغ کہیں اور پہنچا ہوا ہوتا تھا۔ رابعہ اپنی دھن میں بولتی جاتیں۔ انھیں اندازہ ہی نہ ہو پاتا کہ وہ متوجہ نہیں ہے مگر پھر آہستہ آہستہ اسے معیز اور اس کی زندگی میں دلچسپی ہونے لگی تھی۔ وہ اسے اپنے جیسا لگنے لگا تھا۔ گر گر کر اٹھنے والا ٹھوکریں کھا کر سنبھلنے والا۔

.....✿.....

اس دن بھی وہ اس سے دوسری باتیں کرتے کرتے معیز کا ذکر لے بیٹھی تھی۔

''دنیا میں بہت سے لوگوں کی اولاد نیک اور تابعدار ہوتی ہے مگر میں کہتی ہوں، جتنا ادب، لحاظ اور مروت معیز میں ہے میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ میری عزت تو کرتا ہی ہے۔ ظاہر ہے میں اس کی ماں ہوں مگر دیکھو عائشہ! میرے بیٹے کا ظرف کتنا بلند ہے کہ اپنے ان رشتہ داروں کی بھی عزت کرتا ہے جنھوں نے پوری زندگی اس کا مذاق اڑایا۔ مجال ہے جو کبھی اس نے کسی کو جتایا ہو کہ اس نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا

میرے بھائیوں اور ان کی اولادوں نے ساری عمر اسے ذلیل کیا، اس کی شکل سے لے کر لباس اور کھانے پینے کے طریقے تک پر اعتراض کرتے رہے۔ مذاق اڑاتے رہے۔ بے عزت کرتے رہے۔ مگر معیز کا اتنا حوصلہ ہے کہ وہ جب بھی ان سے ملتا ہے بہت ہنس کر ملتا ہے۔ میرے بھائی کہتے ہیں کہ اتنی عزت ان کی اپنی اولاد نہیں کرتی جتنی معیز ان کی کرتا ہے۔ کبھی اس نے انھیں پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ ان سے بدتمیزی نہیں کی۔ ان کے جھڑکنے پر ناک بھوں نہیں چڑھائی۔ کبھی ان کے سامنے اونچی یا تیز آواز میں بات نہیں کی۔ پہلے کی تو خیر بات ہی اور تھی، وہ ان کے گھر پہ رہتا تھا، عزت کرنے پر مجبور تھا مگر وہ اب بھی جب اسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ان کی اسی طرح عزت کرتا ہے۔

میں کہتی ہوں۔ خدا معیز جیسی اولاد سب کو دے۔ اسے اس کے صبر، برداشت اور محنت کا جرملا ہے۔ جب یہ چھوٹا ہوتا تھا تو مجھے خیال آتا تھا کہ میں اسے کس طرح پالوں گی۔ یہ اتنا ضدی اور بدتمیز ہوتا تھا۔ مگر ناصر کے مرنے کے بعد اس میں خود برداشت پیدا ہوگئی۔ مجال ہے اس نے کبھی بچپن میں مجھے عام بچوں کی طرح مختلف چیزیں مانگ مانگ کر تنگ کیا ہو بس جو لا دیتی تھی۔ خاموشی سے لے لیتا تھا۔ بعض دفعہ تو مجھے رونا آجاتا تھا کہ یہ عام بچوں کی طرح ضد کیوں نہیں کرتا۔ مجھے یہی خوف رہتا تھا کہ یہ کہیں بگڑ نہ جائے مگر خدا کا ایسا کرم ہے کہ مجھے کبھی اس کی نگرانی کرنی نہیں پڑی۔ اس کی زندگی اتنی سیدھی گزری ہے۔''

وہ معیز کے بارے میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں اور عائشہ بیزار ہونے کے بجائے مستقل ان کی باتیں سن رہی تھی اور اس کی دلچسپی اب پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

اس دن چھٹی تھی۔ وہ حسب معمول صبح دس بجے اٹھی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد یک دم اس کا دل رابعہ کے گھر جانے کو چاہا اور وہ ان کی طرف آگئی۔ رابعہ اسے اس وقت ہمیشہ اپنے کمرے میں ہی ملا کرتی تھیں۔ وہ سیدھا ان کے کمرے کی طرف آئی اور دروازہ بجا کر حسب عادت اندر داخل ہوگئی تھی۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ یک دم گڑبڑا گئی تھی۔ کیونکہ کمرے میں رابعہ کے بجائے صوفہ پر معیز اخبار لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا۔ عائشہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔

''السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟'' اسے گھبراتے دیکھ کر معیز نے کہا تھا۔ وہ قدرے حیران ہوئی کہ کسی تعارف کے بغیر وہ اس کا حال کیسے دریافت کر رہا ہے لیکن اس نے اس کے سلام کا جواب دے دیا۔

''امی نہا رہی ہیں۔ بس ابھی آجائیں گی۔ آپ پلیز بیٹھیں۔'' وہ صوفہ چھوڑ کر خود بیڈ کی طرف چلا گیا تھا۔

''نہیں، میں پھر آجاؤں گی۔''

''عائشہ! آپ کو دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امی واقعی تھوڑی دیر میں باہر آجائیں گی۔''

اس بار عائشہ کی حیرانی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔ اس کی زبان سے اپنا نام سن کر۔

''آپ پلیز بیٹھیں۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' عائشہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''میں اصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ امی کی مدد۔'' معیز نے بات شروع کی تھی مگر عائشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''پلیز آپ اس بات کو رہنے دیں۔ یہ بہت پرانا واقعہ ہے، اب تو اسے کئی ماہ گزر چکے ہیں۔''

''میں اسی سلسلے میں شرمندہ ہوں کہ پہلے آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکا حالانکہ میں آپ سے پہلے ہی ملنا چاہتا تھا۔ لیکن بس کچھ مصروفیات کی وجہ سے مل نہیں سکا۔''

''لیکن میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ اس سلسلے میں شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس لیے یہاں نہیں آئی ہوں۔''

عائشہ کے انداز میں کچھ بے بسی تھی۔ معیز خاموش ہو گیا۔

''امی اکثر آپ کے بارے میں بتاتی رہتی ہیں۔ بہت تعریف کرتی ہیں آپ کی۔'' معیز کے جملے پر عائشہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور معیز کو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے یقینی نظر آئی۔ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ عائشہ نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

''آپ جاب کرتی ہیں؟'' معیز نے گفتگو کا سلسلہ ایک بار پھر جوڑنے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں۔''

''کہاں پر؟'' عائشہ نے معیز کو چند جملوں میں اپنی جاب اور کمپنی کے بارے میں بتایا۔

''جاب پسند ہے آپ کو؟'' کچھ لمحوں بعد اس نے پوچھا تھا۔

''پتا نہیں۔ میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔'' معیز عائشہ کے جواب پر کچھ حیران ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ خطرناک حد تک خوبصورت تھی۔ بہت چبھتے ہوئے تیکھے نقوش تھے اس کے خاص طور پر اس کی آنکھیں۔ کوئی بہت ہی عجیب تاثر تھا اس کی آنکھوں میں جو دوسرے کو یکدم چپ ہو جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ معیز نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ دونوں کے درمیان اس دن مزید گفتگو نہیں ہوئی۔ دونوں خاموش بیٹھے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد رابعہ نہا کر باہر نکل آئی تھیں اور معیز اٹھ کر کمرے سے آ گیا۔

پھر ان دونوں کی اکثر ملاقات ہونے لگی تھی۔ معیز خلاف عادت اتوار کو گھر پہ رہنے لگا تھا۔ لاشعوری طور پر اسے عائشہ کا انتظار رہتا تھا اور جس دن عائشہ نہ آتی، اسے ایک نامعلوم سی بے چینی رہتی۔ دونوں کے درمیان آہستہ آہستہ گفتگو بھی ہونے لگی تھی۔ پھر گفتگو کا یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ وہ دونوں پارک میں بھی ملنے لگے۔ عائشہ شام کے وقت گھر کے قریب پارک میں وقت گزارنے جایا کرتی تھی اور معیز بھی وہیں جاگنگ کے لیے جایا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ پارک میں عائشہ کے ساتھ واک کیا کرتا تھا۔ وہ بہت اچھا سامع تھا۔ شروع میں وہ صرف عائشہ کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ اسے تب یہ احساس ہوا تھا کہ وہ اتنی خاموش طبع نہیں ہے جتنی وہ اسے تب تک نظر آئی تھی پھر آہستہ آہستہ وہ بھی بولنے لگا تھا۔ بہت سی باتیں جو اس نے آج تک کسی سے نہیں کی تھیں وہ اس سے کرنے لگا تھا۔

''پاپا سب کچھ تھے میرے لیے دوست، ساتھی، باپ سب کچھ جب ان کی ڈیتھ ہوئی تو میں سولہ سال کی تھی۔ بہت دنوں تک تو مجھے یقین

ہی نہیں آیا کہ وہ زندہ نہیں ہیں جب یقین آیا تو میرے لیے دنیا ہی ختم ہو چکی تھی۔''

اس دن بھی وہ پارک میں بیٹھے ہوئے تھے جب وہ اپنے والد کی بات کرنے لگی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب میں دنیا میں کیسے رہوں گی۔ پاپا کے بغیر کچھ کرنا مجھے بہت ناممکن سا لگتا تھا۔ پھر ہر ایک نے جی بھر کے نف کیا ہمیں۔ دودھیال والوں نے ننھیال والوں نے ہر ایک نے کسی نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔ میں نہیں جانتی تھی پاپا کے نہ ہونے سے فرق پڑے گا۔ پاپا نے ہمیشہ سب کی مدد کی تھی۔ کبھی کسی کو دھوکا دیا تھا نہ مایوس کیا تھا۔ مگر وہ سب احسان فراموش نکلے سانپ کی طرح دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا جیسے انھوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا۔''

عائشہ کے لہجے میں بہت تلخی تھی۔

''سب ایسا ہی کرتے ہیں، تمھارے رشتے دار اس سے مستثنیٰ نہیں یہ دنیا ہی ایسی ہے۔'' معیز نے اس سے کہا تھا۔

''سب تو ایسا نہیں کرتے جس طرح انھوں نے کیا تھا۔'' وہ اب بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

''عائشہ! لوگوں کو معاف کر دینا چاہیے اس طرح۔'' عائشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کیا آپ نے معاف کر دیا؟ آپ نے بھی تو بہت کچھ برداشت کیا ہے، ایسے ہی حالات سے گزرے ہیں آپ۔''

''میں نے کبھی کسی کو مجرم سمجھا ہی نہیں۔ ہر چیز کی تلافی اللہ نے کر دی تھی پھر میں کسی سے نفرت کر کے کیا کرتا۔'' وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ بہت عجیب ہیں، اپنے گھر میں ان لوگوں کو آنے دیتے ہیں اس طرح ہنسی خوشی ملتے ہیں جیسے انھوں نے کبھی کچھ کیا ہی نہیں۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ ان سب لوگوں کو باری باری بتائیں کہ انھوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ انھیں آئینہ دکھائیں۔ ان کے ساتھ میل جول ختم کر دیں۔''

وہ اس کی بات پر مسکرانے لگا تھا۔ ''نہیں۔ میں نے یہ کبھی نہیں چاہا ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ زندگی ہے اس میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے ظرف کو بہت بڑا کرنا پڑتا ہے۔ میں ان جیسا بننا نہیں چاہتا، کسی کو بے عزت نہیں کر سکتا۔''

وہ اب جھیل میں بوٹنگ کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا تھا، وہ اضطراب کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ واقعی بہت عجیب تھا، بہت اعلا ظرف تھا۔

''آپ کے لیے یہ سب کہنا اور کرنا بہت آسان ہے۔ آپ نے میرے جیسی زندگی نہیں گزاری، سیلز آفیسر کی جاب بھی کوئی جاب ہوتی ہے۔ ہر وقت مسکراہٹ، ہر وقت نرمی جن لوگوں کو میرا دیکھنے کو دل نہیں چاہتا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینی پڑتی ہے۔ اب یہ سب اتنا ناقابل برداشت نہیں ہے جتنا پہلے تھا۔ اس جاب کی وجہ سے مجھے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ نفرت ہوئی تھی۔ مجھے ان کی خود غرضی کی وجہ سے گھر سے باہر نکل کر اس طرح کی جاب کرنا پڑی تھی۔''

معیز نے اسے دیکھا۔

''اب تو آپ کو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ آپ کا بھائی گھر کو سپورٹ کر رہا ہے پھر آپ یہ جاب چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتی ہیں۔''

عائشہ نے اس کی بات پر نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

''شاید آپ ان سہولیات کو چھوڑنا نہیں چاہتیں جو اس جاب کی وجہ سے آپ کو حاصل ہیں۔ ہر جاب گاڑی، موبائل اور اتنی تنخواہ نہیں دیتی جتنی آپ کو ملتی ہے۔''

وہ معیز کی بات پر ایک بار پھر خاموش رہی تھی لیکن اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ معیز کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ ایسا اکثر ہوتا تھا۔ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو جاتی اور پھر معیز کے لاکھ اصرار پر بھی کچھ نہ بولتی، بس گھر چلی جاتی، وہ حیرانی سے یہ سب دیکھتا رہ جاتا۔

.....✿.....

''آؤ عائشہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' اس شام رابعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''آپ کو کیوں انتظار تھا میرا؟''

''بس آج مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' وہ ان کے جملے سے زیادہ ان کے انداز پر چونکی تھی۔ وہ بہت خوش، بہت پُر جوش نظر آ رہی تھیں۔

''ایسی بھی کیا بات ہے؟'' وہ کچھ الجھ گئی تھی۔

''بتا دوں گی۔ تم پہلے چائے تو پیو۔''

رابعہ نے ملازم کو چائے لاتا دیکھ کر کہا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ ملازم نے چائے بنا کر کپ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رابعہ بھی چائے پینے میں مصروف ہو گئیں۔

''یہ بات اصولاً تو مجھے تم سے نہیں تمہارے گھر والوں سے کرنی چاہیے تھی۔''

چائے کے چند گھونٹ لینے کے بعد رابعہ نے بات شروع کی تھی۔

''لیکن معیز کا اصرار تھا کہ پہلے میں تم سے بات کروں۔ دراصل معیز تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' وہ رابعہ کی بات پر دم بخود رہ گئی تھی۔

''وہ تمہیں بہت پسند کرتا ہے اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ میں بھی۔'' رابعہ کہہ رہی تھیں۔

''میں نے معیز کے لیے جس طرح کی لڑکی کا سوچا تھا، تم بالکل ویسی ہی ہو نیک، باکردار، نرم دل، سمجھدار، باادب۔''

عائشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ''میں نے ہمیشہ خدا سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے میری بہو میں یہ ساری خصوصیات ضرور دے مگر اللہ نے مجھے میری دعا سے بڑھ کر نوازا ہے۔ تم میں تو اتنی خوبیاں ہیں عائشہ! کہ میں گنوانا بھی چاہوں تو گنوا نہیں سکتی۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں تمہاری جیسی اولاد ملتی ہے اور میں چاہتی ہوں۔ اس خوش نصیبی کو اپنا مقدر بھی بنا لوں۔ معیز نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پہلے تمہاری رائے لوں۔

اس کے بعد رشتہ لے کر تمھارے گھر جاؤں۔ میں نے تو اس سے کہا تھا کہ عائشہ کسی اور کو پسند نہیں کر سکتی وہ ایسی لڑکی ہی نہیں ہے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ کبھی مجھ سے ذکر تو کرتی۔ مگر اس نے مجھ سے کہا کہ میں پھر بھی پہلے تم سے پوچھوں، اس کے بعد ہی بات آگے بڑھاؤں۔''

وہ جیسے کسی سکتے کے عالم میں تھی۔ رابعہ کہتی جا رہی تھیں۔

''میرے بیٹے نے کبھی کسی کو دھوکا دیا نہ کسی کا دل دکھایا ہے۔ ہر ایک پر احسان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسے خدا نے انعام کے طور پر تمھارے جیسی لڑکی سے ملوایا ہے۔ اب تم بتاؤ عائشہ! تمہاری کیا رائے ہے۔ میں کب تمھارے گھر تمہاری امی سے بات کرنے آؤں؟''

وہ اب عائشہ سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے انھیں دیکھ رہی تھی، رابعہ کے چہرے پر موجود اعتماد اور فخر کی چمک نے اس کے پورے وجود کو تاریک کر دیا تھا وہ کچھ کہے بغیر کپ رکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے کچھ وقت دیں۔ ابھی میں آپ کو اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔''

.....✿.....

وہ پارک میں اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ معیز نے اسے دور سے دیکھ لیا تھا۔ قدموں کی چاپ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ معیز کو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے قیافہ شناسی کا دعوا نہیں تھا مگر وہ چہرہ شناس ضرور تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے عائشہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ وہ جواب دیے بغیر یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ معیز کو یوں لگا جیسے وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں تھی۔ اسے ہمیشہ اس کی آنکھیں بولتی ہوئی لگی تھیں اور آج پہلی بار وہ آنکھیں اسے گونگی لگی تھیں۔

''کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے عائشہ؟'' وہ نرم لہجے میں کہتا ہوا اس سے کچھ فاصلے پر بینچ کے دوسرے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس نے معیز کو دیکھنا بند کر دیا تھا وہ دور جاگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے کچھ بتانا ہے۔ اپنے بارے میں کچھ ایسی باتیں جو آپ نہیں جانتے۔'' وہ سامنے نظریں جمائے آہستہ سے بولی تھی۔

''کیا یہ بہت ضروری ہے۔'' معیز نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

''ہاں بہت ضروری ہے۔'' اس بار معیز کو اس کی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ آپ اور آنٹی مجھے جو سمجھ رہے ہیں میں وہ نہیں ہوں۔'' وہ اس کی بات پر چونکا نہیں تھا بس سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

میں آپ کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی۔ آپ نے زندگی میں بہت محنت کی ہے۔ بہت تکلیفیں برداشت کی ہیں اب آپ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ میرے جیسی لڑکی آپ کی زندگی میں شامل ہو۔ میں اتنی پاکیزہ، مقدس اور نیک نہیں ہوں جتنا آپ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں ہر لحاظ سے تھرڈ کلاس ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں آپ دونوں کو دھوکہ دیتے ہوئے آپ کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ آپ کے سکون کو تباہ

کروں۔ میں یہ سب آنٹی سے کہنا چاہتی تھی مگر مجھ میں اتنا حوصلہ، اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ مجھے پتا نہیں کیا سمجھتی ہیں اور میں انھیں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں کتنی عام، گری ہوئی لڑکی ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں سب کچھ آپ کو بتا دوں۔ آپ آنٹی کو خود ہی میرے بارے میں بتا دیجیے گا۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ معیز نے اسے اپنے ہونٹ بھینچتے ہوئے دیکھا یوں جیسے وہ کچھ بتانے کے لیے ہمت مجتمع کر رہی ہو۔ پھر اس نے سر جھکا لیا۔

"چار سال پہلے مجھے اپنے تایا کے بیٹے سے محبت ہو گئی تھی۔ تب ہم ان کی فیملی کے ساتھ نہیں ملتے تھے۔ میں کسی کو بھی اپنے گھر آنے نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک بار میرے آفس آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ وہ چاہتا تھا میں اپنے خاندان کو ان کے خاندان سے ملنے سے نہ روکوں۔ ان کے خاندان پر پابندیاں نہ لگاؤں۔ شروع میں مجھے اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔" وہ اب بات کرتے ہوئے اپنی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔ "مگر وہ بار بار آتا رہا۔ بار بار مجھ سے کہتا رہا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آہستہ آہستہ مجھے اس کی باتوں پر یقین ہونے لگا۔ پھر تایا کی فیملی سے ہمارے تعلقات بحال ہونے لگے۔ وہ لوگ ہمارے گھر آنے جانے لگے۔ پھر ایک دن حاذق نے مجھے بتایا کہ اس کے ماں باپ میرا رشتہ مانگنے کے لیے ہمارے گھر آئیں گے۔ اس نے اپنے ماں باپ کو ہمارے گھر بھجوایا لیکن انھوں نے میرا نہیں فریحہ کا رشتہ مانگا۔ انھوں نے کہا یہ سب حاذق کی خواہش پر ہو رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ میں نے حاذق سے پوچھا تو اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کبھی بھی نہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا نہ ہی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اور فریحہ ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ مگر ان کی شادی تب تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک میں امی کو تایا کی فیملی سے تعلقات بحال نہ کرنے دیتی۔ انھوں نے تعلقات بحال کروانے کے لیے یہ طریقہ سوچا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ رہ ہی نہیں گیا تھا۔ حاذق نے مجھ سے معذرت کر لی مگر فریحہ نے نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ ٹھیک تھی، اس نے بالکل صحیح کیا تھا۔ غلطی تو مجھ سے ہوئی تھی۔

امی نے حاذق کا رشتہ منظور کر لیا۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ مجھے اپنا وجود بالکل بے کار لگنے لگا۔ میں ایک ایسی چیز بن گئی تھی جس سے کوئی بھی محبت کرتا تھا نہ ہی پسند کرتا تھا۔ سب کو اعتراض ہونے لگا تھا۔ میری ہر بات پر، ہر کام پر۔

فریحہ کی شادی پر احمر بھی آیا تھا اس نے بھی وہاں شادی کر لی تھی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اب اس جاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے میں یہ جاب چھوڑ دوں اور گھر بیٹھ جاؤں۔ اسے میرے کردار پر دوسروں کی طرح اعتراضات تھے۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ اس نے میرے ساتھ سارے تعلقات ختم کر دیے۔ جب تک میرے گھر والوں کو میری ضرورت تھی وہ مجھے استعمال کرتے رہے۔ جب انھیں میری ضرورت نہیں رہی تو انھوں نے مجھے ایک استعمال شدہ چیز کی طرح پھینک دیا۔ پہلے میں گھر کو سپورٹ کرتی تھی کیونکہ احمر امریکہ میں سیٹل نہیں ہو رہا تھا پھر اس نے باہر سے لمبی چوڑی رقم کے ڈرافٹ بھیجنا شروع کر دیے۔ تب کسی کو میرے چند ہزار کی ضرورت نہیں رہی تو گھر میں میرا عمل دخل بھی ختم کر دیا گیا۔ ان دنوں میں نے ڈرنک کرنا شروع کر دی۔"

وہ بات کرتے کرتے ایک بار پھر رکی۔ معیز کا چہرہ اب بھی بے تاثر تھا۔

''ڈرنک کے بعد کوکین پھر ہیروئن۔ گھر والوں کو شروع میں پتا نہیں چلا جب پتا چلا تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں وہ سب کچھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔ ہاں گھر چھوڑنے پر تیار تھی۔ ایسا کرتی تو شاید گھر والوں کی بہت بدنامی ہوتی۔ اس لیے انھوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر ان ہی دنوں آنٹی والا حادثہ ہوا۔ آپ لوگوں کے ساتھ واقفیت بڑھی۔ میں نے آنٹی سے شروع میں بچنے کی بہت کوشش کی۔ میں نہیں چاہتی تھی وہ میرے بارے میں کچھ جانیں مگر ایسا نہیں ہوا، مجھے نہیں پتا کس طرح میں ان کے پاس جانے لگی۔ شاید مجھے کوئی سہارا چاہیے تھا۔ محبت کے چند لفظ چاہیے تھے۔ وہ آپ کے بارے میں بات کرتی رہتی تھیں آپ نے بچپن کس طرح گزارا۔ کتنی تنگی برداشت کی۔ رشتہ داروں کے ہاتھوں کتنی ذلت اٹھائی۔ مجھے آپ سے انس ہونے لگا۔ مجھے آپ کی زندگی اپنی جیسی لگتی تھی۔ پھر میں لاشعوری طور پر آپ کے پاس آنے لگی۔ آپ سے باتیں کرنے لگی اور تب میرا دل چاہا میں زندگی سے محبت کروں۔ میں وہ سب کچھ چھوڑ دوں جس کی میں عادی ہو چکی تھی اور میں نے یہی کیا۔ میں نے ایک سینٹر جوائن کیا اور ڈرگز کو چھوڑ دیا۔ گھر والے آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں ڈرگز استعمال کرتی ہوں لیکن میں نہیں کرتی۔ میں نے آپ کو پہلے کبھی یہ سب نہیں بتایا مجھے خوف تھا دوسروں کی طرح آپ بھی مجھ سے نفرت کریں گے۔ رابعہ آنٹی مجھے اپنے گھر نہیں آنے دیں گی میں ایک بار پھر پہلے کی طرح اکیلی رہ جاؤں گی۔ میں ماضی کو دفن کر دینا چاہتی تھی مگر ماضی دفن ہی تو نہیں ہوتا۔ آپ نے زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے کیا آپ کے مقدر میں میرے جیسی کرپٹ لڑکی ہونی چاہیے؟ میں نے آپ کے پرپوزل دیے جانے کے بعد یہی سوچا تھا پہلے میرا دل چاہا تھا کہ میں آپ کو کچھ بھی نہ بتاؤں سب کچھ چھپا ہی رہنے دوں۔ مگر یہ سب بہت مشکل ہے۔ مجھے رابعہ آنٹی اور آپ سے خوف آنے لگا ہے۔ میں آپ دونوں کو پچھلے چھ ماہ سے ملف کر رہی ہوں۔ آپ دونوں مجھے بہت پاکیزہ، نیک، ایثار پسند سمجھتے ہیں حالانکہ میں تو ایسی ہوں ہی نہیں۔ میری حقیقت کبھی نہ کبھی تو آپ لوگوں کے سامنے کھل ہی جاتی پھر آپ لوگ مجھ سے نفرت کرتے۔ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ آپ کسی اچھی لڑکی سے شادی کریں یا پھر معصومہ سے شادی کر لیں وہ ہر لحاظ سے آپ کے قابل ہے۔ ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر ہے۔ میرے جیسے عیب نہیں ہیں اس میں، آپ اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔ وہ رابعہ آنٹی کو بھی بہت پسند ہے۔ وہ معصومہ جیسی بہو ہی چاہتی ہیں۔''

وہ خاموش ہو گئی۔

''ایک کہانی سنیں گی آپ؟'' جو جملہ اس کی تمام گفتگو کے بعد اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔ اس نے اسے حیران کر دیا تھا وہ سر اٹھا کر معیز کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

آج سے چھبیس سال پہلے ایک بچے نے اپنی دنیا کو ختم ہوتے اور ایک نئی دنیا کو ابھرتے دیکھا۔ ختم ہونے والی دنیا محبتوں، آسائشوں، رنگینیوں کی دنیا تھی اور نئی دنیا ذلتوں، آزمائشوں اور ٹھوکروں کی دنیا تھی۔ اس دنیا میں اس نے پچھلی دنیا کے کرداروں کو نئے چہروں کے ساتھ دیکھا، اصلی چہروں کے ساتھ اور وہ چہرے بہت ہولناک تھے۔''

وہ آنکھوں میں ابھرتی نمی کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اسے کیا سنا رہا تھا۔

''اس نے ہر رشتے کو بہت معمولی، بہت بے معنی پایا۔ انسانوں پر سے اس کا اعتبار اٹھ گیا۔ لمبے عرصے تک وہ لوگوں سے خوف کھاتا رہا۔

پھر اس نے ایک بار پھر اپنی دنیا نئے سرے سے بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسے ایک بار پھر پرانی دنیا میں اصلی کردار نقلی چہروں کے ساتھ چاہیے تھے۔ چھبیس سال تک اس نے ایک لمبی جدوجہد کی۔ اس جدوجہد میں اس نے بہت کچھ گنوایا۔ اپنی منگیتر، اپنا بچپن، ماں کی توجہ اور وقت، اپنی تعلیم اپنی جوانی اور یہ سب گنوانے کے بعد وہ پرانی دنیا کو دوبارہ سے تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تب وہ چونتیس سال کا ہو چکا تھا۔ تب اسے محبت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس محبت کی نہیں جسے وہ روپے سے خرید سکتا تھا بلکہ اس محبت کی جو اس کے وجود کی ساری کمیوں کو پورا کر دے پھر اسے ایک لڑکی ملی۔"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ وہ اسے دیکھنے کے بجائے پارک میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے لگا جیسے اس کی تلاش ختم ہو گئی تھی۔ وہ اسے ہر اعتبار سے اپنے جیسی لگی۔ اس لڑکی میں بہت سی خامیاں تھیں، بالکل اس کی طرح مگر اسے تو اس کے وجود سے نہیں اس کے دل سے محبت تھی جس نے ایک بار اس لڑکی کو اس کی ماں کو بچانے پر مجبور کیا تھا۔"

کوئی چیز عائشہ کے گال بھگونے لگی۔ وہ اب بھی بول رہا تھا۔

"بہت عرصہ دونوں نے اکٹھے گزارا پھر اس نے اس لڑکی کو پرپوز کر دیا۔ تب ایک دن وہ لڑکی اپنے پورے ماضی کو اٹھا کر اس کے سامنے پہنچ گئی۔ اسے بتانے لگی کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے وہ صاف گو اور ایماندار بننا چاہتی تھی۔ اس کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں صاف گو بننا چاہتی ہوں نہ ایماندار میں تو صرف۔"

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر معیز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں صرف حاذق کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ باقی سب کچھ جانتا تھا، یہ بھی کہ تم ڈرنک کرتی ہو۔ یہ بھی کہ تم ڈرگز لیتی ہو۔"

اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ معیز آپ سے تم پر آ چکا تھا۔

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

''میں نے تمھیں پرپوز کرنے سے پہلے تمھارے بارے میں سب کچھ پتا کروایا تھا جہاں تم کام کرتی ہو وہاں تمہاری ریپوٹیشن کیا ہے۔ تمہاری کمپنی کیسی ہے۔ پھر وہ Rehabilitation سینٹر جہاں تم اپنے علاج کے لیے جاتی رہیں وہاں سے بھی میں تمہارا سارا ریکارڈ دیکھ چکا ہوں۔ جس عمر میں میں شادی کر رہا ہوں۔ اس عمر میں کوئی بھی مرد آنکھیں بند کر کے صرف محبت کے لیے شادی نہیں کرتا۔ میں نے بھی تمھارے بارے میں پوری چھان بین کی تھی۔ یہ مانتا ہوں کہ مجھے شاک لگا تھا، یہ جان کر کہ تم ڈرگز استعمال کرتی رہی ہو۔ بے شک یہ بہت زیادہ مقدار میں نہیں تھا مگر پھر بھی کسی ڈرگ ایڈکٹ سے شادی کرنے کا فیصلہ کافی مشکل تھا۔ میں نے اس پر کافی سوچا، تمھارے حق میں سب سے بڑا پوائنٹ یہ جاتا تھا کہ تم ڈرگز سے نجات حاصل کر چکی تھیں اب نارمل تھیں۔ اس لیے مجھے فیصلہ کرنے میں کچھ مشکل تو ہوئی لیکن بہر حال میں نے تمھارے حق میں ہی فیصلہ کیا۔

جہاں تک حاذق کا تعلق ہے تو میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تم ماضی میں کسے پسند کرتی تھیں یا کس سے محبت کرتی تھیں۔ مجھے اگر دلچسپی ہے تو صرف اس بات سے کہ تم اس وقت کس سے محبت کرتی ہو۔ عائشہ! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت جذباتی ہو اور اس جذباتیت نے تمھیں بہت کمزور بنا دیا ہے۔ تم زندگی میں ہمیشہ سوچے سمجھے بغیر فیصلے کرتی رہی ہو۔ ہمیشہ اپنے ماضی کو سر پر اٹھائے پھرتی رہی ہو۔ ہم میں سے کچھ اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں اور انھیں دوبارہ نہیں دہراتے کچھ غلطیوں سے کچھ بھی نہیں سیکھتے اور وہی غلطیاں دوبارہ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو ساری عمر اپنی غلطیوں کو پچھتاووں کی صورت میں ساتھ لیے پھرتے ہیں پھر وہ اپنی زندگی کو ہی ایک پچھتاوا بنا دیتے ہیں تم بھی اسی کیٹیگری میں آتی ہو۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولتا جا رہا تھا۔

''حاذق اور فریحہ نے تمھارے ساتھ جو کیا وہ اسے بھلا چکے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کی اچھی زندگی ہے۔ تم نے کچھ نہیں بھلایا بلکہ اپنے آپ سے نفرت کرنی شروع کر دی۔ کیوں؟ حاذق ہی زندگی میں سب کچھ نہیں تھا اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ تم نے خود کو سب سے کاٹ لیا۔ سگریٹ نوشی شروع کر دی پھر ڈرنک پھر ڈرگز کیا ان چیزوں نے تمہاری مدد کی یہ چیزیں کبھی کوئی حل نہیں کرتیں کیونکہ وہ تو خود ہی ایک مسئلہ ہوتی ہیں۔ تم نے اچھا کیا۔ خود ان سے جان چھڑا لی۔ یہ تمھارے لیے اس لیے آسان ثابت ہوا کیونکہ تم ابھی انھیں بہت کم مقدار میں استعمال کرتی تھیں اگر زیادہ مقدار میں کرتیں تو جتنی کم قوت ارادی تمہاری ہے تم کبھی بھی ان چیزوں سے نجات حاصل نہ کر سکتیں۔ تم نے زندگی میں دوسروں سے اتنا انتقام نہیں لیا جتنا اپنے آپ سے لیا ہے۔ تم خود کو دوسروں سے کاٹ کر انھیں سزا دینا چاہتی ہو تمہارا خیال ہے اس طرح انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گا یا کم از کم انھیں تکلیف تو ضرور ہو گی۔ عائشہ حقیقی زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوتا آپ صرف خود کو اکیلا کر لیتے ہیں۔ انتقام لینے میں دوسروں کو کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہو گی انتقام لینے والے کی تو پوری زندگی، پوری ذات، پوری شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔''

اس کے گال ایک بار پھر بھیگنے لگے تھے۔ وہ دھندلی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میں روز شام کو یہاں جاگنگ کرنے آتا تھا اور میں نے بہت دفعہ تمھیں شام گئے تک یہیں بیٹھے دیکھا۔ بعض دفعہ تم اسموکنگ کر رہی ہوتی تھیں تب میری تم سے کوئی زیادہ سلام دعا نہیں تھی، اس لیے میں کبھی تمھارے پاس نہیں آیا لیکن میں حیران ضرور ہوتا تھا کہ تم پارک میں آ کر شام

تک کیوں بیٹھی رہتی ہو۔ آفس سے سیدھی گھر کیوں نہیں جاتیں۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے اندازہ ہوا کہ تم دراصل گھر جانا ہی نہیں چاہتی تھیں تم اپنے ماحول سے فرار چاہتی تھیں۔ کئی سال پہلے میں بھی اسی طرح گھر سے بھاگتا تھا۔ گھر سے باہر بے مقصد وقت گزارتا تھا۔ گھر جانا ہی نہیں چاہتا تھا میرا مسئلہ اور تھا۔ امی کے علاوہ میرا کوئی نہیں تھا اور جو تھے ان سے مجھے انس نہیں تھا نہ انھیں میری ضروری تھی۔"

اس کے لہجے میں اب عجیب سی افسردگی تھی۔ وہ دم بخود اس کی باتیں سنتی جا رہی تھی۔

"مگر تمہاری تو ساری فیملی تھی پھر تم ان کے پاس کیوں جانا نہیں چاہتی تھیں۔ تم ایک بار دعوت پر ہمارے گھر آئیں تو اپنے گھر والوں کے پاس بیٹھنے کے بجائے اکیلے ایک طرف بیٹھی رہیں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ میں تمہاری ذات کی گرہوں کو کھولنا چاہتا تھا۔ میں تمہارے اسرار کو بوجھنا چاہتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ تمہارے بارے میں بہت کچھ میرے علم میں آتا گیا۔ تم جب بھی امی کے پاس آتی تھیں اپنے ابو کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔ یاد ہے تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔ آپ بالکل میرے پاپا جیسے ہیں۔ تم ہر مرد کے وجود میں اپنے پاپا کو تلاش کیوں کرتی رہتی ہو۔ تمھیں یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ وہ بہت سال پہلے مر چکے ہیں اور کوئی دوسرا شخص کبھی بھی ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ میں جانتا ہوں، یہ مشکل ہے مگر یہ بہت ضروری ہے۔ میرے ڈیڈی بھی بچپن میں مر گئے تھے۔ بہت دیر تک مجھے بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ بہت دیر تک ان کے بغیر مجھے چلنا نہیں آیا پھر میں نے حقیقت تسلیم کر لی۔ ان کے بغیر زندگی گزارنا سیکھا۔ عائشہ! تم یہ کبھی نہیں کر سکیں۔ ہے نا؟"

وہ بہت دھیمے بہت نرم لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بے آواز روتی رہی۔

"لیکن ان خامیوں کے سوائے تم میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں۔ تم بہت ایثار پسند ہو، کرپٹ نہیں ہو، حیران کن بات یہ ہے کہ تم ایک بہت کامیاب سیلز آفیسر ہو۔ تمہارے آفس میں تمہاری ریپوٹیشن بہت اچھی ہے۔ اگر تم باہر کی دنیا میں ایک کامیاب انسان کے طور پر زندگی گزار سکتی ہو تو نجی زندگی میں بھی ایسا ممکن ہے۔ ابھی تمہارے پاس بہت وقت ہے۔ تم سب کچھ ٹھیک کر سکتی ہو۔ میں تمہاری امی سے بات کروں گا۔ احمر سے بھی بات کروں گا۔ تم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی جسے معاف کیا ہی نہ جا سکے۔ ایک دفعہ پھر سے تم اپنی فیملی کے ساتھ نئی زندگی شروع کر سکتی ہو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تمہاری امی اور گھر والوں کو تم سے محبت بھی ہے اور تمہاری ضرورت بھی۔ تم یہ سمجھنا چھوڑ دو کہ انھوں نے تمھیں استعمال کر کے پھینک دیا ہے۔ تم کوئی چیز نہیں انسان ہو۔ انسانوں کو چھوڑا نہیں جاتا۔"

پارک میں تاریکی پھیل چکی تھی۔ دور کہیں کچھ لائٹس جل رہی تھیں مگر ان کی روشنی ان دونوں تک نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ اسے معیز کا چہرہ اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف آواز سنائی دے رہی تھی۔ بعض دفعہ چہرے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف آوازوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی ایسی آواز کی جس میں آپ کے لیے ہمدردی ہو، جو آپ کے وجود کے تمام ناسوروں کو نشتر کی طرح کاٹ پھینکے اور پھر بہت نرمی سے ہر گھاؤ کو سی دے۔ اس وقت اس کی سماعتوں میں ایک ایسی ہی آواز آ رہی تھی، وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ زندگی گزارنے کا ہنر سکھا رہا تھا۔ اس کا محاسبہ کر رہا تھا۔ اس کے عیب دکھا رہا تھا۔ اسے کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ بہت عرصہ کے بعد وہ کسی کے سامنے اس طرح آنسو بہا رہی تھی اسے اپنے آنسوؤں پر شرمندگی نہیں تھی۔ وہ اس شخص کے سامنے بہہ رہے تھے جو اس کے اندر کو اس سے بھی بہتر جانتا تھا۔ وہ اس سے دوسرے لوگوں کی طرح کچھ بھی چھپا نہیں سکی تھی حتیٰ کہ آنسو بھی۔

''آؤ اب چلتے ہیں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''ہاں اور امی کو اپنے بارے میں یہ بتانے کی حماقت مت کرنا۔ بہت سی چیزیں ان کے لیے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوں گی۔''

وہ اس کے آگے چلتا ہوا کہتا جا رہا تھا۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے واکنگ ٹریک پر آ گئے تھے۔ الیکٹرک پولز پر لگی ہوئی روشنیاں راستے پر چلتے ہوئے لوگوں کو بھی روشن کر رہی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے آگے چلتے ہوئے اس دراز قد، معمولی شکل کے غیر معمولی انسان کو دیکھا جو اسے ہمیشہ ہی بہت بہتر، بہت بلند تر لگا تھا اور آج اس کا قد کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

ختم شد

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121